www.novelsclubb.com
سفید
جھوٹ
ندا حسین
IG/FB: Novelsclubb
www.novelsclubb.com

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842

سفید جھوٹ

از قلم

ندا حسین

www.novelsclubb.com

آخری بار سفید جھوٹ میں۔۔۔

"تمہیں جذبۂ ایثار کے لیے یہی وقت ملا تھا؟"

ایمان جاوید۔ یا کیا وہ واقعی ایمان جاوید تھی؟

ایک حادثے میں اپنی یادداشت کھو دینے کے بعد، منہ زبانی بزنس وومن اور انجینئر، میڈیا میں مشہور اور مقبول۔

ایمان جاوید کرمانی اپنی ایسی فیملی سے ملتی ہے جو دکھنے میں جتنی نارمل ہے۔ ظاہر سی بات ہے، اتنی نارمل وہ در حقیقت ہے نہیں۔

آخر یہ مومن ابرار کون ہے؟

طٰہٰ ابرار کا اصل مقصد کیا ہے؟

زیب مجاہد کو کے ڈی کیوں چاہیے؟

اس کے مرے ہوئے ماں باپ کا قصہ کیا ہے؟

ملائکہ شہیر اس کی سوتیلی بہن ہے یا کوئی اور؟

کیا ان لوگوں کا اس ہسپتال میں جاگنے والی لڑکی سے کوئی تعلق بھی ہے یا۔۔۔؟

”تمہارا گرنا طے ہے، ایمان۔ ابھی نہیں سو بعد میں سہی۔ لیکن تم اپنے ہر کیے کے لیے پچھتاؤ گی۔“

اور یہ از لفہ۔۔۔یہ کون ہے؟

جاننے کے لیے۔۔۔

صفحہ پلٹائیں۔

www.novelsclubb.com

سفید جھوٹ

از ندا حسین

باب دوم ”میڈوسا“

www.novelsclubb.com

ایک لڑکی تھی۔ با علم، خوبصورت۔

چاہی گئی۔

چاہنے والے ہمیشہ عزت نہیں دیتے۔

اس کی کہانی نے ایک موڑ لیا۔

دھوکہ، فریب، ایک چال۔

ایک آگ کی طرح پھیلا جھوٹ۔

اب وہ دیکھنے سے دکھائی نہیں دیتی۔

اب وہ لڑکی خوبصورت نہیں۔

وہ ایک حیوان ہے۔

ایک درندہ۔

خطرناک، بدصورت، نفرت سے بھرا۔

اس کے پاس کسی بیتے پل کا علم نہیں۔

بھولی ہوئی، بھلادی گئی نہیں۔

www.novelsclubb.com

اس کے حسین بال اب ریشمی نہیں۔

ہر بال کے بدلے ایک سانپ ہے۔

آنکھیں دلکش ہیں، نہ چاندی کی۔

اب ان میں ایک آسیب ہے۔

جھانکنے والے کو پتھرا دینے والا ایک سراب۔

اب اسے کوئی نہیں چاہتا۔

وہ خود بھی کسی کو نہیں چاہتی۔

سرمئی آسمان، بادل جیسے دھویں کے مرغولے ہوں، اور سفید دھند۔

یہ جنوری کا سرد موسم تھا اور فجر کی بارش کے باعث سڑک ابھی تک گیلی تھی۔

لاہور کے اس پوش علاقے کے وسیع لانز اور بلند درختوں کی فصیل والے بنگلے دھند میں ڈھکے تھے۔ کہیں کہیں سے روشنیاں نظر آتی تھیں۔

ادھر سے کچھ فاصلے پہ ایک پارک بنا تھا جس کے بیرونی جاگنگ ٹریک پر اکادکا نفوس میں وہ بھی شامل تھا۔

www.novelsclubb.com

ٹریک پر قریب سے دیکھو تو تم اس لڑکے کو دیکھ سکتے ہو جو اس کہانی کے سب سے بڑے مسئلے کی بھی جان کا مسئلہ تھا۔اور اب یہ راز کی بات تم بھی جانتے ہو۔

وہ پارک کی سلاخ دار دیوار کے ساتھ ساتھ بھاگ رہا تھا۔سفید لمبے بازوؤں کی شرٹ اور نیلے ٹراؤزرز میں ملبوس،وہ موڑ پہ سانس ہموار کرنے کے لیے ایک ہی جگہ چند لمحے بھاگنے کے انداز میں کھڑا رہا۔پسینے سے تر پیشانی پہ چپکتے بالوں کو پھونک مار کر ہٹانے کی ایک ناکام کوشش کی۔پھر دوبارہ جاگنگ کرنے لگا۔

ایک جھاڑی اسے کب سے اپنی نظروں میں رکھے ہوئے تھی۔اس کے اوپری پتے سے شبنم پھسل کر نچلے پر بہہ گئی۔پتوں کے درمیان بنے تکون سے وہی لڑکا نظر آتا تھا جو ایک لمحے کے لیے رکے بغیر بھاگتا رہا۔

وہ اسی منتظر جھاڑی کے پاس سے تیسری دفعہ گزر رہا تھا جب ٹھہر گیا۔اسے بہت دیر سے اپنی گردن پر کسی کی نظریں محسوس ہو رہی تھیں۔مگر جب بھی وہ پیچھے مڑ

کر دیکھتا، وہاں کوئی نہ ہوتا۔ سیاہ آنکھیں جھاڑی پہ پھسلیں تو اس پر لگے پھول دیکھ کر ترچھی ہو گئیں۔

سفید گلاب۔

بہت سے نیچے گرے ہوئے تھے جیسے جھڑ گئے ہوں۔ اور جو مر گئے تھے، وہ سرمئی دکھتے تھے۔

اس کے جاگرز میں مقید پیر ٹریک سے اتر کر گھاس پہ چلنے لگے۔ پھر وہ سرخ اینٹوں کے اوپر سلاخ دار دیوار کے آگے نفاست سے تراشے گئے اس پودے کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ ان سیاہ ڈنڈوں کے بیچ بھی گلاب کی پتیاں پڑی تھیں۔ سرمئی، ننھی پتیاں۔ پھول سے الگ جیسے توڑ توڑ کر وہاں خاص رکھی گئی ہوں۔

مومن ابرار وہاں سے الٹے پاؤں پھر گیا۔

گلابوں کی مہک کو جیسے کسی اور وقت میں محسوس کرتے وہ آگے بڑھ رہا تھا لیکن ذہن جیسے اٹک گیا تھا۔ سرمئی گلاب، گہرے سبز پتے۔۔۔

وہ آگے کی اور بھاگ رہا تھا جبکہ وقت اس کے مخالف تھا۔ وقت کی رفتار سست ہوتی گئی، اتنی سست، کہ اب وہ پلٹتا جا رہا تھا۔ حال کہیں تحلیل ہوتا گیا اور اب ماضی، سیاہ، سفید اور سرمئی، روشنی کی رفتار سے تیز بیت رہا تھا۔ جونہی اس میں رنگ بھرنے لگے تو مومن طٰہ ابرار تمہیں ایک اور علاقے میں، ایک اور وقت میں ایسے ہی ایک ٹریک پر بھاگتے ہوئے ملے گا۔

وہ ایک سال پہلے کے اکتوبر کی صبح تھی۔ تب آج سے زیادہ ٹھنڈ تھی اور مومن کے سینے میں جلتی آگ شاید اتنی زیادہ نہیں تھی۔

وہ اپنے اپارٹمنٹ فلیٹ سے نزدیک ایک جاگنگ ٹریک پہ تھا۔ پشت پہ نظروں کا احساس تب بھی تھا، جیسے اب۔ مگر اپنے تعاقب کار کے پسندیدہ نیل پینٹ

www.novelsclubb.com

(luxedo کا essie) اور زندگی کا آخری ہدف (مومن ابرار کو اپنی غیر قانونی سرگرمیوں میں شامل کرنا۔سچ میں!)،اسے افسوس کے ساتھ سب معلوم تھے۔

اور جیسے یہ منظر پہلے سے کوریو گراف شدہ ہو،قریب کھڑی کی گئی سفید مرسیڈیز، جو سیاہ شیشوں کی وجہ سے بظاہر خالی دکھتی تھی،میں سے ایک لمبا کاسنی رنگ کا فراک کوٹ باہر جھلکا۔

ایک ناگوار نظر اس پر ڈالتا،وہ جاگنگ میں مشغول رہا۔پندرہ منٹ تک وہ ڈھٹائی سے اپنا پیچھا کرتی اس لڑکی کو نظرانداز کرتا رہا۔وہ اپنے چوتھے چکر پر ہوتا اور وہ لڑکی ٹہلنے کے سے انتہائی عاجز کر دینے والے انداز میں پہلے سے صرف چند گز آگے چلی ہوتی۔

مومن پھولتے تنفس کے بہانے ایک آسمان کو چھوتی برہنہ ٹہنیوں والے درخت کے نیچے جھک کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

www.novelsclubb.com

وہ لڑکی بہت پر عزم تھی اور اسے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ خزاں کے مرجھائے پتوں پر سیاہ Louboutins کے چلنے کی کرنچ اور پھر ایک ہشاش نسوانی، "ہائے!" ہوا میں ٹھنڈی مہک کی طرح پھیل گیا۔

"بائے۔" وہ اسے دیکھے بغیر آگے چل دیا۔ لیکن اب وہ بھاگ رہا تھا نہ ہی اس کا انگ انگ اس لڑکی کو نظرانداز کرنے میں مصروف تھا۔

معاملہ سادہ تھا۔

ایمان جاوید کو نظرانداز کرنا ناممکن تھا۔

یہ صرف ایک مضبوط قوتِ ارادی رکھنے سے نہیں ہو جاتا تھا۔

"کب تک بھاگتے رہنے کا ارادہ ہے؟ تمہیں دیکھتے ہوئے میرا اپنا سانس پھولنے لگتا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی مگر مومن آنکھیں گھمانے سے خود کو روکتا قدم اٹھاتا رہا۔

www.novelsclubb.com

سامنے ایک سبز پتیوں والی جھاڑی تھی جو سبز سے زیادہ سفید تھی۔ گیلی پتیاں، نم گھاس کی خوشبو۔ اس پہ ڈھیروں خوبصورت گلاب لگے ہوئے تھے اور اس کے گرد نیچے دائروں میں پھیلے ہوئے تھے۔ وہ روزانہ انہیں دیکھتا تھا لیکن آج سے پہلے کبھی غور نہیں کیا تھا۔

ایمان جاوید اپنی اونچی سیاہ ہیلز، سیاہ لمبے سٹریپس کے جھولتے ہوئے بیگ اور گہرے کاسنی فراک کوٹ سمیت اس کے برابر چل رہی تھی۔ اب اسے ایک تیز چلنے والے انسان کا ساتھ دینے میں کوئی مسئلہ نہیں ہو رہا تھا۔ ہونہہ، اداکارہ۔

''میرا پیچھا نہیں چھوڑو گی؟'' اس نے غیر دلچسپی سے کہا، اس سے دور رہنے کا خواہشمند۔

''یہ نہیں پوچھو گے کہ مجھے کیسے معلوم ہوا کہ تم یہاں ہو گے؟''

"سوائے اس کے کہ تم ایک سٹاکر ہو، اور اس بات پر شرمندہ تک نہیں، میری روٹین جاننا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ بس ایک دو دن پیچھا کرو اور تم تیسرے دن یہاں ایک ہِٹ مین کے ذریعے مجھے مروا بھی سکتی ہو۔"

"تصحیح کرو۔ 'مار' سکتی ہوں۔ یہ نیک کام کسی اور کو کیوں سونپ دوں؟" سیاہ بالوں کی ایک موٹی لٹ انگلی کے گرد لپیٹتے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔ انداز کے بر عکس آنکھوں میں ناپسندیدگی عیاں تھی۔

"میرے سوال کا جواب دو۔ اس کے علاوہ ایک لفظ نہیں۔"

ایمان نے مصنوعی خوف سے سینے پر ہاتھ رکھا۔ ناخن Essie کے luxedo سے ہی سیاہ تھے (ہونہہ!) اور ہر مینیکیور شدہ انگلی چاندی کی انگوٹھیوں سے سجی تھی۔

"تم اچھے بہت لگتے ہو، اس لیے۔ جو چیز مجھے اچھی لگتی ہے، اسے میں جانے نہیں دیتی۔"

www.novelsclubb.com

اس کی ادا پہ چند ثانیے مومن کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا۔ تو اب وہ ایک 'چیز' تھا۔

"تم مجھے ہمیشہ لاجواب کر دیتی ہو، I'll give you that۔"

مومن نے بازو لمبا کر کے اس کی جانب کیا۔ ایمان نے ہشاشیت سے مسکراتے، پانی کا فلاسک جو اسے معلوم تھا مومن ہر جاگ پر لے جانا بھول جاتا تھا، اسے تھما دیا۔

کبھی کبھی وہ ضرورت سے زیادہ باتیں بھی جانتی ہوتی تھی، یہ خیال ایک ہلکی جھرجھری کی طرح مومن کے اندر سے گزرا۔

وہ بنا دیکھے فلاسک پکڑ کر ڈھکن گھمانے لگا۔ دونوں ساتھ چل رہے تھے، کندھے برابر، ایمان کی ہیلز کی بدولت قد ایک جتنے۔ ایمان درختوں سے جھڑے پتوں کو اپنی نوکیلی ہیلز کے نیچے کچلتی جا رہی تھی۔ جان بوجھ کے، ہمیشہ کسی کو کچلنے کی تاک میں۔ پتوں کی کرنچ وہاں کی عمارتوں کی خاموشی میں خلل ڈالتی، یا مومن کے دماغ میں چلتا شور، بتانا مشکل تھا۔

وہ فلاسک لبوں سے لگائے ایک لمحے کے لیے رکا اور پلکیں سکیڑے اسے دیکھنے لگا جس کی شیطانی مسکراہٹ مومن کو پانی میں زہر کا قیاس کراتی تھی۔اس نے پلکیں جھپکائیں اور ایمان کی مسکراہٹ غائب تھی۔وہ ٹہنی پر سے گلاب کی سفید پتی توڑ کر دو خوبصورتی سے تراشے گئے، ہیلز اور بیگ سے مماثلت رکھتے سیاہ ناخنوں کے درمیان ٹٹول رہی تھی۔

”یہاں کیا لینے آئی ہو؟“مومن کا انداز مشکوک تھا۔

محظوظ خاموشی، دو پتیوں کا نیچے گرنا اور پھر۔۔۔

”تمہیں!“

مومن کو اپنے گال دہکتے محسوس ہوئے۔

”میں نے خود اپنے آپ کو اس میں پھنسایا ہے نا؟“

”بالکل۔“

www.novelsclubb.com

جاگنگ کی وجہ سے اس کی شرٹ بھیگ چکی تھی۔ سرد دھوپ میں دلکش چہرہ ورزش کی بدولت ہی گلابی پڑ رہا ہو گا۔ خیر، ایمان کو کیا۔

"اب چلو گے؟" یہ سوال سے زیادہ حکم تھا۔

مومن بنار کے پانی پینے لگا۔اس زندگی میں وہ ایمان کے ساتھ ایک کار میں دوبارہ نہیں بیٹھنے والا تھا۔ گرم دھوپ میں ٹھنڈی ہوا جیسا مزاج تھا، ایمان جاوید کا۔وہ اس سب میں نہیں پڑنا چاہتا تھا جسے اس لڑکی نے طے کر کے ان کا باہمی فیصلہ قرار دیا تھا۔

وہ وعدہ خلاف بھی نہیں تھا۔

"نہیں۔"

مگر وہ ایک بے معنی سا وعدہ توڑ سکتا تھا۔

www.novelsclubb.com

”کتنی عجیب بات ہے نا، میں جب بھی لوگوں کو اپنا فیصلہ سناتی ہوں تو انہیں اسے قبول کرنے میں مشکل ہوتی ہے۔ سوال تمہیں آپشن دینے کے لیے کیا ہے۔ تین آپشن۔ 'ہاں'، 'جی مادام'، اور 'ضرور، کیوں نہیں؟'۔ میں 'جیسا آپ کہیں، محترمہ' کو بھی برا نہیں سمجھتی۔“

”تمہاری پسند ناپسند ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کرنی پڑتی، فراخ دلی سے سب خود ہی بتا دیتی ہو۔“ مومن نے زیرِ لب کہا۔

”میں ہوں ہی ایک سادہ سی لڑکی۔ اب میرے اچھے موڈ کا فائدہ مت اٹھاؤ اور چلو۔“

”پھر سے، نہیں۔ اور تم مجھے مجبور نہیں کر سکتی کیونکہ کنٹریکٹ ایکٹ کے سیکشن پندرہ کے تحت coercion ایک جرم ہے۔ اور ہمارا کنٹریکٹ غیر قانونی۔“ مومن نے جیسے بات ختم کر دی۔

”غیر قانونی نہیں، پرائیویٹ۔“

www.novelsclubb.com

(کوارٹین یعنی دھمکانا۔)

''مجبور تم مجھے دونوں صورتوں میں کر رہی ہو۔'' سیاہ آنکھوں میں چبھن تھی۔

''میں اپنی قانون ساز خود ہوں۔'' ایمان کی سرمئی آنکھیں نیم اندھیرے، نیم دھوپ میں گھرے چاندی جیسی لگتی تھیں۔ ''اور میرے قانون میں مومن ابرار کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے اس سے سیدھے طریقے سے کام لیا جاتا ہے۔ ویسے بھی، ایمان جاوید کا قانون تمہارے پاکستان کے ہر قانون سے اوپر ہے۔''

''اس ملک کا ایک قانون ہے۔ حتمی، فائنل، لکھ دیا گیا۔'' مومن کی آواز پر سکون، ایک سنجیدگی لیے ہوئے تھی۔ ''میں مانتا ہوں اس میں سو برائیاں ہیں۔ لیکن یہاں ایک قانون منظور ہے۔ اس کی پاسداری قائم کرنا اداروں اور لوگوں کا کام ہے۔ اس ملک سے تمہیں جتنی ناانصافی کی شکایات ہیں، انہیں ایسے تلخ ہو کر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے خاص طور سے جب تم خود اسے توڑنے پہ مصر ہو۔''

ایمان نے گردن تیزی سے موڑی۔ وہ اسے کتنی آسانی سے سمجھ جاتا تھا۔۔۔

”یہاں کوئی قانون نہیں ہے۔ یہاں صرف گولیاں چلتی ہیں یا حق کی بات کرنے والوں کا دوسرے طریقوں سے منہ بند کروادیا جاتا ہے۔ مجھے قانون سکھانے کی ضرورت نہیں ہے، جسٹس صاحب! میں تمہارے ساتھ ہی بڑی ہوئی ہوں۔“

لہجے سے ساری خوش دلی نچڑ گئی تھی۔

”جسے تم انصاف کا خاتمہ کہتی ہو، وہ قانون دانوں کی نااہلی نہیں ہے۔ بلکہ جن کے لیے وہ بنایا گیا ہے، ان کی نااہلی ہے۔ میں جانتا ہوں تم اپنے والدین کے غم سے آج تک باہر نہیں نکل سکیں۔ تم اپنی جگہ ٹھیک ہو۔ لیکن یہ ساری انتقامی کارروائیاں تمہیں کہیں نہیں لے کر جائیں گی۔“

www.novelsclubb.com

”کس نے کہا مجھے the nice guy کی طرح سیدھا سادہ انتقام چاہیے؟“

ایمان کی آنکھوں میں انگارے برس رہے تھے۔ ”مجھے اپنے مجرموں کو دنیا کی بدترین سزا دینی ہے۔ انتقام، قصاص یا معاف کردینے جیسی چھوٹی چیزیں میرے اندر کی آگ کو نہیں بجھا سکتیں۔“ سینے پر ایک انگلی سے دستک دی۔ تین دفعہ۔

"تم ابھی تک mourning میں ہو۔" مومن کا لہجہ نرم تھا، سیاہ آنکھیں سمجھتی ہوئیں کہ آخر کو وہ قانون کا طالب علم تھا، اندھا نہیں۔ "لیکن اس سے کچھ نہیں بدل رہا۔ اگر تم نے اپنی سوچ نہیں بدلی تو یہ آگ تمہیں ہی نقصان پہنچائے گی۔"

وہ دونوں چند لمحے ایک تناؤ بھری خاموشی میں چلتے رہے۔ ایمان کے دماغ کے پہیے چل رہے تھے اور مومن۔۔۔ وہ جو بھی سوچتا تھا سب اپنے اندر چھپا کر رکھتا تھا۔

"ہم نے کام کرنا تھا لیکن تم نے میرا موڈ برباد کر دیا ہے۔" بے بسی سے الزام دھر دیا۔ "ہمارا کچھ نہیں ہو سکتا۔"

غصے سے سڑک کنارے رک گئی۔ مومن دو قدم آگے آ کر رک گیا۔ آمنے سامنے۔ ایک ہی راستے پر چلتے ہوئے مسافر۔

"ماں کو کھونا کیسا ہوتا ہے، میں جانتا ہوں، ایمان۔" ہرٹ، بے حد ہرٹ لہجہ تھا مومن ابرار کا۔

"کس نے کہا مجھے ان کے مرنے پر افسوس ہے؟" نخوت سے اٹھایا ابرو، دھچکہ دینے والے الفاظ۔ مگر وہ ایمان جاوید تھی۔ وہ دھچکے دینے میں ہی تو ماہر تھی۔

"کس نے کہا مجھے بھی کسی کے مرنے کا افسوس ہے؟" ٹھنڈا لہجہ۔

دو دلوں میں جمتی برف۔

رکی سانسیں، رکے پل، رکے انسان۔

مخالف راہیں اور ایک ہی راستہ۔

اور زندگی کے تمام راستے دائروں میں شروع ہو کر دائروں میں ہی تو ختم ہو جاتے ہیں۔

ایمان سر جھٹکتے واپس اپنی کار کا رخ کر گئی۔ مومن خود میں اتنی ہمت نہیں پاتا تھا کہ پیچھے مڑ کر فلاسک لوٹا سکتا۔ نہ تب جب لوبوٹانز کی ٹک ٹک سماعت سے دور

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

جاتی گئی یہاں تک کہ مر گئی۔نہ تب جب کار کے دروازے کھلنے کی دھپ گونجی یا انجن کے جاگ اٹھنے کی۔

وہ ایک سال پہلے کی اس صبح بھی انہی جھاڑیوں کے پاس کھڑا رہا تھا، جہاں آج تھا۔ دونوں وقتوں میں فرق بس اتنا تھا کہ جنوری کی اس دھند اور سموگ میں اس کے پاس ہاتھ میں بھولا ہوا پانی کا فلاسک نہیں تھا۔

"ہمارا کچھ نہیں ہو سکتا۔"

کچھ نہیں۔

کچھ بھی تو نہیں۔

گہری سانس لے کر وہ ٹریک سے گھوما ہی تھا کہ نظریں ایک ناپسندیدہ شخص سے جا ٹکرائیں۔

www.novelsclubb.com

”میں آج تمہارے یہاں ہونے کی امید نہیں رکھتا تھا۔“مومن نے ناگواری سے اعلان کیا۔

وہ آدھا ڈاکٹر، آدھا پولیس والا اور آدھا رقیب بھورے بالوں میں ہاتھ پھیر کر مسکرایا۔ جیسے داد وصول کرنے پر شرمایا ہو۔ خوش شکل چہرے اور ٹیڑھی ناک ویسی ہی تھی جیسے پہلے۔ مومن نے اسے توڑ کر اور ٹیڑھا کر دینا تھا۔

”ہمارے اس بارے میں جذبات ایک جیسے ہیں، ڈئیر مومن۔“

***

www.novelsclubb.com

صبح ابرار منزل پر نم اور حبس زدہ سی اتری تھی۔ گرد و نواح کے اونچے محلات میں ابرار منزل کی سیاہ و سفید حویلی منفرد سی دکھائی دیتی تھی۔نئے طرز پر سجا ایک پرانا قصر۔آسمان پر پھیلے بادل ایک چھایا جیسے تھے۔روشنی اب بھی مدھم تھی۔

حویلی کے پورچ کے سامنے والا پاتھ وے گیلا گیلا سا تھا۔اس کے گرد پھیلا وسیع لان سرخ و سبز پودوں اور دھند میں سجا تھا جن کی دیکھ بھال کرتا عملہ اور مالی سمندر سے ابھرتی مچھلیوں جیسے لگتے تھے۔

ایسے میں بالکونی پر انگلیاں باہم پھنسائے،ایمان جاوید آسمان اور زمین کے درمیان پھیلی سفید سرمئی دھند میں نہائے سیاہ اونچے گیٹس کو گھور رہی تھی۔گیٹ کے دروازوں سے زیادہ اونچے ان کے ساتھ اوپر اٹھتے سیاہ ستون تھے جن کا اوپری حصہ گول ہو کر نیچے کی طرف سے کٹ جاتا تھا۔

”صاحبہ،میرا مطلب ایمان بیٹا،نیچے چلیں۔آپ کا ناشتہ تیار ہے۔“

رئیسہ بانو نے اس کے پہلے سے سمیٹے گئے بستر کی مخملی چادر کو ایک کونے سے کھینچتے جیسے نادیدہ سلوٹ دور کی۔

”اور شاید اتنی سی بات کے لیے آپ کو مجھے یوں بلانے کی ضرورت نہیں،پھر بھی آپ یہ۔۔۔کیا کہتے ہیں؟تکلف۔تکلف بہت کرتی ہیں آپ۔“

مضبوط قدم، بنفشی لمبی قمیض کی جھلک اور وہ گلاس ڈور سے اندر تھی۔ سلیپرز اتار کر وارڈروب میں جوتوں کی تلاش شروع کی اور۔۔۔ پرانی ایمان پر ایک ہزار ایک دفعہ رشک اور روہانسے پن سے بھری لعنت بھیجی۔

اندر انبار تھا۔ ہیلز کا۔

لمبے لانگ بوٹس، نازک سٹائلیٹوز اور خطرناک لمبائی والے پمپس سے لے کر سپولز اور پلیٹ فارمز۔ خوبصورت، بے حد سٹائلش اور خطرناک۔ ایک بھی پریکٹیکل نہیں تھا۔

اس نے ایک چھوٹی kitten ہیل اٹھائی جو اس کے ہاتھ سے بھی ہلکی تھی اور دکھنے میں ایسی لگتی جیسے ہلکا سا مروڑا اور اس نے ٹوٹ جانا تھا۔ لیکن پہننے میں یہی سب سے بہتر تھی کیونکہ اس کی نوک چار کے بجائے تین انچ کی تھی۔

”مجھے کبھی کوئی ہائٹ کمپلیکس تھا کیا؟“ سفید وارڈروب کے پٹ بند کرتے اس کی بوریت سے لبریز آواز گہری کاسنی دیواروں والے کمرے میں گونجی۔

"یہ آپ بہتر جانتی ہوں گی صاحبہ۔ میرے نزدیک آپ کو ایسے کمبخت جوتے پسند تھے۔"

"بس ادھر ذرا دھیان سے۔" ایمان کے سفید قالین پر پیر رکھتے نور نے منت کی۔ جہاں رئیسہ وہاں نور۔ "قالین خراب ہو جائے گا۔"

اپنی زرد چادر کو سویٹر پہنے ہاتھوں سے اپنے گرد کس کر لپیٹتے، رئیسہ بانو ڈریسنگ کے آئینے کی صفائی کروانے لگیں۔ نور، ان کی سب سے بیوقوف اور کم عمر ملازمہ، جلدی جلدی کام میں مصروف تھی۔ یہ عادت ایمان کو نہ بھی ہوتی، لیکن گھر کے ان ملازمین نے اسے روز علی الصبح آنکھ کھولنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"ملائکہ کہاں ہے؟"

ایمان کی سوتیلی بہن کو یہاں آئے دو دن ہو چکے تھے۔ مگر صبح کے وقت وہ اپنے کمرے میں ہوتی نہ کسی اور کی نظر میں۔

"باہر ہو نگی، جی۔"

اس نے گھٹنا موڑ کر کھڑے کھڑے، ہیلز پیروں میں گھسیڑیں۔ وہ کمرے سے باہر نکل رہی تھی جب ایک پورے سیکنڈ کے لیے اسے اپنے ڈیسک پر ہاتھ رکھ کر رکنا پڑا۔ سر درد، اس کا دشمنِ جان۔

"باہر؟"

ہاتھ چند کاغذات اور ڈائریز پر پھسلے تھے، لیکن ان میں سے کوئی بھی اس کی نگاہ میں اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ وہ اپنی سوچ جرنلز میں کبھی ریکارڈ نہیں کرتی تھی نہ لکھنا کوئی ایسی بات تھی جس میں وہ اب بھی دلچسپی رکھتی ہو۔ شاید اسی لیے ان سب خالی ڈائریز کی اکلوتی خوبی ان کے حسین ڈیزائنز تھے، خاص طور سے وہ ریڈ اور بلیک والی جس کے بیچ میں ایک خون آلود سفید دل تھا۔

"جی۔" رئیسہ صفائی مکمل کروا کر عجلت میں نکل رہی تھیں جب ایمان کی ڈائری پہ نظر پڑی۔ پھر اس پہ جیسے آدھے انچ کی گرد دکھائی دی ہو، نور کو انگلی کے اشارے سے آگے بھیجا۔

ایمان ناک کی ہڈی دو انگلیوں سے دبا کر رہ گئی جب نور شرماتے ہوئے اسے رگڑ رگڑ کر صاف کرنے لگی۔

اپنا جامنی پولکا ڈاٹس والا فون کیس اٹھاتے، بال گردن کے پیچھے گھمانے کے سے انداز میں گراتے وہ باہر نکل آئی۔

یہ قصر ایک بھول بھلیاں تھا اور ہر دوسرے کونے سے نکل آنے والے ملازم اسے بھوت بنگلے کا تاثر دیتے تھے۔ پھر وہ آٹومیٹک لائٹس جو فائدہ مند ہونے کے بجائے دل لرزا کر رکھ دیتی تھیں۔

www.novelsclubb.com

جب وہ یہاں پہلی دفعہ جاگی تھی تب اسے معلوم ہوا تھا کہ وہ ریگنگ سے پھسلی نہیں تھی۔ رئیسہ اسی وقت زمل کو سلا کر اسے ڈھونڈتے ہوئے اس کے کمرے میں پہنچی تھیں اور اسے بروقت بچا لیا گیا تھا۔

رئیسہ بانو اس کے سر پر گیلا کپڑا رکھ کر اس کا بخار اتارنے کی کوشش کر رہی تھیں مگر تب وہ انہیں دیکھ کر ایسا۔۔۔ یہ بات اسے ابھی تک ہضم نہیں ہوئی تھی۔۔۔ ڈر کر بھاگی تھی کہ اللہ معاف۔ کمبل اتار کر دروازہ ڈھونڈتے ہی دوڑ لگا دی اور بھوری سیاہ راہداری میں آ کر گم گئی۔ اسے نچلے فلور کی لائبریری میں ڈھونڈنے تک ملازمین کو آدھا گھنٹا لگا تھا جو دس کے برابر تھا۔ اس وقت مسئلہ یہ تھا کہ چند لمحوں تک وہ رئیسہ کو پہچان نہیں سکی تھی اور اجنبی ماحول میں درد کرتی ٹانگ کے ساتھ جاگنا کسی کے ساتھ بھی ایسا کر سکتا ہے۔ کم از کم وہ خود کو یہی تسلی دیتی رہی تھی۔

ایک بات جواب تک اس کے ذہن میں نقش تھی، وہ۔۔۔ وہ آواز تھی۔ کسی نے اسے دھمکایا تھا۔ اس کا شک مومن پر جاتا مگر وہ جا چکا تھا اور پہلی بات تو یہ تھی کہ وہ

www.novelsclubb.com

ایک نسوانی آواز تھی۔ کسی لڑکی کی۔ایک بہت جانی پہچانی آواز جو اس کے دل و ذہن میں گونجی تھی۔

مگر اسے یاد نہ تھا۔

اس نے دائیں جانب کا راستہ چنا، پھر اندھوں کی طرح کہیں اور مڑنے کی بجائے سامنے بنی نیچے جاتی گول سیڑھیوں سے اترنے لگی۔ کل باون، ایمان نے گنا۔ وہاں سے وہ اکیلی نہیں اتر رہی تھی۔

مومن ابرار، جو ابھی ابھی ایک کمرے سے نکلا تھا، دروازہ اپنے پیچھے بند کرتے ایمان جاوید کے ساتھ ایک ایک زینہ اترنے لگا۔

وہ نہایا ہوا، فاختہ جیسے سرمئی رنگ سویٹر اور سلیکس میں ملبوس فریش لگتا تھا۔ مغرور ناک اتنی مغرور نہیں لگتی تھی، وہ قدرے بجھا ہوا لگتا تھا۔ان دونوں نے نظر ملائے بغیر ساتھ ڈائننگ ہال کا راستہ طے کیا۔

ہال سے پہلے داخلی دروازوں کے آگے ایک کھلا راستہ تھا جو شاہانہ قالینوں اور پینٹنگز میں سجا تھا۔ایک بڑی میز تھی جس پہ گول سبزے اور میدان کی تصویر کشی تھی اور اس پہ ایک شیشے کی سطح چڑھائی گئی تھی۔ایک آرائشی فانوس ان دونوں کے اوپر لٹکتا تھا۔وہ اپنی زومعنوی خاموشی میں چلتے گئے۔

وہ عالیشان لیدر فرنیچر سے بھرے رہنے والے کمرے،مزید صوفوں کے ساتھ ایک گول کمرہ،اور سٹینلیس سٹیل سے چمکتا ہوئے ایک بڑے باورچی خانے کے ساتھ سے گزرے۔پتھر اور کھڑکیوں کے اداس وکٹورین گوتھک بیرونی حصے کے مقابلے میں،اندر کا حصہ گرم اور روشن تھا۔جس طرح کی آسائشیں دیکھنے کو ملتی، ایمان یقین نہیں کر سکتی تھی کہ ایک لائر کی تنخواہ انہیں برداشت کر سکتی ہے۔ایک لاءفرم کے مالک کی بھاری جیب،ہاں، مگر ایک عام لائر کی جیب نہیں۔

لوہے کے بنے ہوئے فانوس، لمبے بھاری پردے، چمکدار لکڑی کے فرش، سیاہ دماسک وال پیپر۔یہ سب ایک ہی وقت میں بہت پرانا اور جدید تھا۔طٰہٰ ابرار اور

زرینہ نازنین کی کل شخصیات کا اتنا گہرا عکس۔ وہ دونوں اس لحاظ سے پرانی عظیم روحوں کی طرح لگتے تھے کہ وہ علم اور آرٹ کے قدردان تھے۔ ان چند دنوں میں ابرار منزل کے مکینوں کو جاننے کے بعد، اس نے سیکھا تھا کہ وہ زندگی کی تبدیلی، وقتی رجحانات، اور وقت کے ساتھ لوگوں اور موسیقی کے بدلنے کے طریقے کو بھی سراہتے تھے۔

لاؤنج سے چند آوازیں آرہی تھیں۔ وہ دونوں نہ رکتے اگر "ایمان جاوید کرمانی، کرمانی ڈیولپرز کے مرحوم مالک، جاوید کرمانی کی بیٹی اور کروڑوں کی وارثہ ایک قتل کیس میں مشغول۔" سنائی نہ دیتا۔

www.novelsclubb.com

مگر وائے افسوس، ٹی وی پہ اس سب کے علاوہ اور کچھ سنائی دے بھی سکتا تھا؟

نور، رئیسہ کی خاص شاگرد، اپنے بھائی کے ساتھ کمرے کی ڈسٹنگ کر رہی تھی۔

ان دونوں نے بھی ٹی وی پہ ایمان کا نام سن لیا تھا، اس لیے موضوعِ گفتگو بھی وہی تھی۔

”آپا، میرے کو یہ بتاؤ تو ذرا۔ یہ بی بی صاحبہ کا نام آیا تھا گول ڈِبہ پہ ؟ اور وہ دیکھو، شکل بھی ہے۔“

ایمان کی ایک چھوٹی راج رنگ کا مدار جوڑے میں تصویر، خون، زخم اور بکھرے بالوں سمیت سکرین پہ تھوڑی دھندلا کر دکھائی جا رہی تھی۔ مگر وہ وہی تھی، ہر زاویے سے وہ گراہوا وجود اسی کا تھا۔

نور نے اپنے بھائی کے سر پہ چپت لگائی۔

”آہستہ بولیو۔ بانو نے سن لیا نا، ہم دونوں کا شامت آئے گی!“ وہ اپنے دوپٹے کا پلو منہ میں ویسے لے کر گئی جیسے ایمان نے اسے یہاں کی پہلی رات لے جاتے دیکھا تھا۔

”ٹھیک ہے، آپا۔ مارو تو نہ۔“ وہ دونوں کام میں مصروف ہو گئے مگر ایمان کے پیر زمین میں گڑے ہوئے تھے، آنکھیں ٹی وہ سکرین پر منجمد، کانوں میں بجتے ہوسٹ کے الفاظ۔

"یہ صحیح نہیں کہ مس جاوید اپنے والد صاحب کی طرح ایک سافٹویئر انجینئر ہیں؟"

مراد علی، جس کا چہرہ دنیا کے لیے خوبصورت اور ایمان جاوید کے لیے بے حد بدصورت تھا، مسکرایا۔

"صرف یہی نہیں، وہ ایک کم عمر کوڈر ہیں۔ اور اگر میرے ذرائع درست ہیں، جو کہ وہ ہمیشہ ہوتے ہیں، تو وہ ایک ہیکر بھی ہیں۔"

ہوسٹ نے قہقہہ لگاتے اگلا سوال کیا۔

"جاوید کرمانی پہ دس سال پہلے جو کیس ہوا تھا، اس کی سیاہ حقیقت ہمیں نہیں معلوم۔ آپ نے بھی اس پر روشنی ڈالنے سے کئی سال پہلے انکار کر دیا تھا۔ لیکن، مسٹر علی، آپ کا اس حال ہی میں آئے کیس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"سادہ خیالات ہیں میرے، اسود۔" مراد نے اپنے سوٹ کے گریبان سے نادیدہ دھول جھٹکی۔ "وہ کیس ایک عام ڈیوورس کیس تھا جس کی معلومات جاننے میں

میری دلچسپی نہیں۔اصل مزا تو ایک اصلی کیس کے حقائق میں ہوتا ہے،اور یہاں ہمارے پاس ایک دلچسپ سراغ لگا ہے۔مس جاوید،ایک ممکن قاتلہ۔"

نور کے بھائی کا منہ لفظ قاتلہ پہ پورا کا پورا کھل گیا۔اس نے ویکیوم کلینز گراتے اپنی بہن سے لجاجت سے کہا۔

"باجی،ہم کیا کسی قاتل کے لیے کام کرتا ہے؟"

نور نے گدی ہاتھ میں تھام رکھی تھی۔اس کے کہنے پہ غصے میں آگئی۔

"صادق، کبھی تو کوئی بات کرنے سے پہلے چار دفعہ سوچ لیا کر۔نہیں ہے ہماری بی بی کوئی قاتل واتل۔اسے اپنے مہنگے جوتوں سے باہر نکلنے کی توفیق تو ملے پہلے۔"

"مگر آپا،یہ خبروں والے کو تو سنو۔کتنے دھڑلے سے بولے جا رہا ہے۔"

مومن دروازے میں کوفت زدہ کھڑا تھا جبکہ ایمان ان دونوں کو گلے سے دبوچ کر سوسنا ناچاہتی تھی۔ جن میں سب سے اہم کسی کے پیٹھ پیچھے اس کے معاملات پہ تبادلہ خیال پہ جوتے پڑنے کی دھمکی تھی۔

لیکن اس کی زبان ساکت اور مقفل تھی۔ الفاظ بہت تھے مگر انہیں ثابت کرنے کے لیے شواہد نہیں۔ وہ تو اپنے بیان پہ خود یقین نہیں کرتی تھی، آخر کو۔۔۔

اسے کچھ یاد نہیں تھا۔

مراد علی تمسخرانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"اس کیس کا ہم بہت باریک بینی سے پیچھا کر رہے ہیں۔ آپ کے پاس سب سے سچی اور قابلِ اعتبار معلومات مجھ سے بذاتِ خود ملے گی۔ ایمان جاوید صاحبہ اس ملک کے لیے کتنے فخر کا باعث ہیں اور کتنا ان کا سارا افتخار محض اچھی قسمت اور ڈھیروں پیسے کی بدولت ہے۔۔۔"

"پیسہ تو بی بی کے پاس واقعی ڈھیر سارا ہے۔" اس بار نور خود بولی تھی۔

ایمان کے دل میں کسی نے خنجر چبھویا تھا۔

"تم دونوں۔ادھر آؤ۔"

مومن کی ترش آواز پہ دونوں بہن بھائی ایک دم ویکیوم کلینز اور ڈسٹر چھوڑ کر ادھر آئے۔

مومن نے آگے بڑھ کر ریموٹ سے ٹی وی بند کیا۔اس کی سیاہ سکرین ایمان کا تمسخر اڑا رہی تھی۔وہ دروازے میں قالین پر اپنے 'مہنگے جوتوں' میں کھڑی ابھی تک چپ تھی۔

مقفل لب۔

قاتلہ۔

وارثہ۔

فخر۔

محض اچھی قسمت۔

ڈھیروں پیسہ۔

”مجھے تم دونوں کو کتنی بار بتانا پڑے گا کہ کام کے وقت صرف کام کرنا ہے؟“

مومن نے صادق کو کان سے پکڑا اور نور کو گھورا۔ وہ پوری گلابی پڑ گئی تھی، صرف ڈر کی وجہ سے نہیں۔

”جی، مومن بھائی۔ ہم تو کام ہی کر رہا تھا۔“ صادق کا دبلا وجود کانپ رہا تھا۔

”جی، مومن صاحب، میں بھی۔۔۔“ نور نے دوپٹے کے پلو سے پورا چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔

ان دونوں کی بیوقوفانہ حرکتوں پہ مومن نے گہری سانس خارج کرتے سر نفی میں ہلایا۔

"جاؤ جا کر کام کرو۔"

اپنے سفید سرمئی سویٹر کے آستین اوپر چڑھاتے وہ درز میں کھڑی ایمان کے برابر آ کھڑا ہوا۔ آج وہ دونوں قد میں برابر نہیں لگتے تھے۔

"کب تک اداس بنتِ اداس کے مجسمے کی طرح کھڑے رہنے کا ارادہ ہے؟" اس کے انداز میں کوفت اور پریشانی دونوں تھے۔

ایمان نے جواب نہیں دیا۔

"ایمان۔" مومن نے اسے بے یقینی سے گھورا۔ کوفت بڑھ گئی۔

ایمان نے اپنا نام لیے جانے پر آہستہ آہستہ پلکیں جھپکائیں۔ دایاں ہاتھ مٹھی میں بھینچ گیا۔ وہ لرز رہا تھا۔

"میں اتنی بری تھی، ہاں؟" یہ سوال سے زیادہ ایک اعلان تھا۔

www.novelsclubb.com

”یہ خبریں ہیں، اور وہ مراد علی۔ پی آر بڑھانے کے لیے مختلف پینترے استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔“مومن کا لہجہ حتی المقدور فکر منداور بے نیاز تھا۔

”انہوں نے کبھی ایک براانسان دیکھا نہیں ہے جو ایک زخمی لڑکی کی تصاویر آن ائیر کر رہے ہیں۔“اس نے مٹھی میں ناخن گاڑے ہوئے تھے۔

مومن خود اس بات سے خوش نہیں تھا مگر انسان کبھی کبھی مجبور ہوتا ہے۔اس نے اس کی کہنی پکڑی اور اسے باہر کی جانب ایک ہی بار میں گھمادیا۔

”جتنا میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب چیزیں تمہیں دل برداشتہ کرتی ہیں، مگر اب تمہیں انہیں قبول کر لینا چاہیے۔“اس کے سکون سے کہہ دینے پر ایمان کے اندر طیش ابھرا۔کیا وہ ٹی وی اور میڈیا میں لوگوں کی منفی آراء کا ہاٹ ٹاپک تھا جو سمجھ سکتا؟“اور قبولیت کے لیے جانتی ہو انسان کو کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے؟“

"تمہیں معلوم ہی ہوگا، مسٹر' میں دنیا کو اس کی ہر خوبصورتی اور بدصورتی کے ساتھ قبول کر چکا ہوں۔""ایمان اس کے ساتھ مجبوراً چلتے بڑبڑائی۔

"توانائی کی۔"مومن نے اس کی بات نظر انداز کر دی۔"جو ہمیں ناشتہ دیتا ہے۔"

وہ مسکرایا اور اسے بازو کسی میزبان کے انداز میں پھیلاتے، اندر کو دعوت دی۔ مسکراتے ہونٹ، کینہ توز نظریں۔

دو بلند سیاہ دروازوں کے درمیان سے بھاپ اڑاتی چائے اور کھانے کی مہک ہر سو بکھری ہوئی تھی۔ ڈائننگ ہال بھی باقی گھر کی طرح گہرے رنگوں اور پر تعیش انداز میں سجا تھا۔ لمبی میز کے اطراف میں افراد سے زیادہ کرسیاں تھیں۔ کل بارہ، ایمان نے گنا۔ اس پر خاموشی سے کھاتیں زرینہ اور ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھے طٰہٰ ابرار تھے۔ کوئی سربراہی کرسی جیسی عجیب تک نہیں تھی یہاں، یہ لوگ ایسی روایات پر نہیں چلتے تھے۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"مارننگ!"

"وعلیکم مارننگ۔" طٰہ نے جواب دیا تو وہ جھینپ کر اپنا سلام درست کرتی زرینہ کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھ گئی۔ مومن آرام دہ اپنے ابا کے ساتھ والی کرسی میں بیٹھ گیا۔اس کی جانچتی نظر ایمان پر تھی جو اب کانٹا چھری پکڑ رہی تھی۔

سامنے لمبی لمبی ڈشز کے انبار نہیں تھے۔سب کے اپنے اپنے ڈائٹ پلان سے مطابقت رکھتے کم کاربز اور زیادہ سبزیوں پر مشتمل محدود کھانا تھے۔ایمان نے کھیرے اور مشرومز کے سلاد کی پلیٹ کو اپنے آگے کیا۔مشروم چباتے لاشعوری طور پر ناک سکیڑی۔اس کی گریوی؟

جیسے اس کی سوچ پڑھ لی ہو، رئیسہ نے اس کو ننھا سا دل کا دورہ دیتے اس کے ساتھ بول (پیالہ) رکھ دیا۔اس میں مشروم ڈپ کرتے ایمان کو ایک اطمینان نے آن گھیرا۔اگر یہ گریوی اس کے پاس ہسپتال میں بھی میسر ہوتی تو وہ ان تکلیف دہ حد تک بورنگ دنوں کو بہتر طور پر گزار سکتی۔

www.novelsclubb.com

"۔۔۔اور آج رسٹرینگ آرڈر فائنل کروں گا۔" طہٰ اپنی پہلی بات جاری کر رہے تھے۔ "میں اس مرزا سے اکتا چکا ہوں اور مجھے اس عمر میں اس حد تک چڑا دینا مشکل کام ہے۔"

"بے حد مشکل۔" زرینہ نے توس پر ایوا کاڈو رکھتے لقمہ دیا۔

"انسپیکٹر مرزا؟ وہ ابھی تک پیچھے نہیں ہٹا؟" ایمان کی کانٹے پر جمی انگلیاں ساکت تھیں۔ "لیکن کیوں؟ کیا میرے خلاف شواہد اتنے مضبوط ہیں؟"

"اونہوں۔" طہٰ نے اپنے آملیٹ کا ٹکڑا چبایا۔ پھر لب نیپکن سے تھپتھپائے۔ "وہ ایک پتنگے جیسا ہے جسے روشنی تک پہنچنے کا راستہ دکھائی دیتا ہے لیکن بیچ میں کھڑی شیشے کی دیوار نہیں۔ وہ بار بار سر اس دیوار میں مارے گا، لیکن اس گھر کی ہر کھڑکی میں polycarbonate glass استعمال کیا گیا ہے۔ یہ ایسے ہی نہیں ٹوٹ جائے گی۔ اگر میں فرض کروں کہ وہ پھر بھی روشنی میں گھس گیا تو جل جائے گا۔"

ان کا اشارہ ان عالیشان کھڑکی نما دروازوں پر تھا جو اس گھر کے تقریباً ہر کمرے کا خاصا تھے۔ ان سے باہر وسیع سبز لان دکھائی دیتا تھا جو ابھی بھی اوائلِ جنوری کی دھند میں نہایا ہوا تھا۔

"آپ کی insect analogies اچھی ہیں ابا، مگر ایمان کے خلاف شواہد واقعی مضبوط ہیں۔"

باادب اور دلکش آواز اسی کی تھی جس سے بات کرنے سے وہ گریز کر رہی تھی۔

ایسا نہیں تھا کہ مومن ابرار اس کا دشمن تھا۔ وہ تو اس کا منگیتر تھا یا ایک ایسا شخص آپ کا کیسا ہی منگیتر ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے آپ کو اپنا خود پر سے اترتا اعتبار پہلے سے زیادہ تیز ختم ہوتا دکھائی دے۔

طٰہٰ کے لہجے کی گرماہٹ اس کی منہ زوری پہ دس ڈگریز کم ہو گئی۔

”ایسے کیسز ہر نامور انسان پر لگتے رہتے ہیں۔انہیں لڑنا ایسے ہے جیسے گالف کھیلنا۔“

رئیسہ بانو اسی وقت مومن کے ناشتے کے ساتھ کچن سے ٹرے لیے آئی تھیں۔

”معذرت کے ساتھ مگر ابا، آپ سے ایک دفعہ بھی گالف میں ہول اِن ون نہیں ہوا۔ مگر ہاں، مراد علی سے ہوا ہے۔ کئی بار۔“

”مراد علی ایک دوغلا انسان ہے۔ ہر معاملے میں دھوکے سے کام لیتا ہے۔ گالف تو کچھ بھی نہیں۔“ طٰہ کو ہارنے سے نفرت تھی اور اینکر مراد علی سے ہارنا زیادہ ناقابلِ قبول تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ طٰہ کی مراد سے کوئی دشمنی تھی۔ وہ دونوں تو دوست تھے۔ یا ایک ایسے شخص سے آپ کی جتنی بھی دوستی ممکن ہو جس کی وجہ سے آپ کے روزمرہ کے تھانے کے چکروں میں تین گنا کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

www.novelsclubb.com

"ہم سے زیادہ دوغلا نہیں ہو سکتا۔" مومن نے جیسے لڑنے کی ٹھان لی ہوئی تھی، ٹھنڈی آگ کے ساتھ کہا۔

"وہ دودھ کا دھلا بھی نہیں ہے۔"

"ہم بھی کیچڑ اچھالنے والوں میں سے ہیں۔"

ایمان سلاد کو کانٹے سے گریوی میں ڈپ کرتے ہوئے یہ ٹینس میچ غیر دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

"اگر کوئی میرے خاندان پر بری نظر ڈالے گا تو میں کیچڑ اچھالنے سے بدتر بھی کر سکتا ہوں۔ بغیر کسی افسوس کے۔" طٰہٰ نے اپنی پلیٹ اور کانٹا دیکھے بغیر ایک ملازم کو تھما دی۔

"آپ کے اسی رویے کی وجہ سے میڈیا میں آپ لوگ اتنے infamous ہیں۔ یہ ایک فخر کی بات نہیں ہے۔"

مومن نے ابلے انڈے کے سلائس اپنی جانب کیے۔انہیں دیکھتے ساتھ ہی ایمان کا دل براہوا۔یہ منگنی ناممکن تھی،اس نے مشروم چباتے ناگواری سے سوچا۔

"تمہیں اچھائی اور برائی کا فرق کتنی جلدی آگیا ہے، برخوردار۔"طہٰ کی مسکراہٹ اب معدوم تھی۔

"اور آپ کو بھول چکا ہے،ابا۔"

مومن میں عقل نام کی شے نہیں تھی،طہٰ کے تاثرات کی سنگینی بھی نہیں سمجھ رہا تھا۔وہ اس عمر میں غیر منگیتر شدہ نہیں ہونا چاہتی تھی،اس لیے مداخلت کی۔

"ملائکہ کہاں ہے؟"

طہٰ یا ان کے بیٹے نے ایک کان نہیں دھرا اور زرینہ نے محض "باہر۔"کہا۔طہٰ ابھی بھی کہہ رہے تھے۔

www.novelsclubb.com

"اتنی آسانی سے ایمان جاوید کو ہتھ کڑی نہیں لگ سکتی۔ چند نیوز چینلز پر اڑتی جھوٹی اور بے بنیاد خبریں ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔"

طٰہ اور زرینہ کے سامنے رئیسہ نے چائے رکھی جبکہ ایمان کی پلیٹ سے ٹھیک چار انچ کے فاصلے پر آرنج جوس کا گلاس رکھ دیا۔ مومن کی کافی ایک اور ملازم ابھی لایا تھا۔

"ایسا اس صورت ہو گا اگر اس کا واقعی کسی کی موت میں ہاتھ نہ ہوا۔ اور کیونکہ ایمان جاوید کی یادداشت بہت مناسب وقت پر چلی گئی ہے، اس لیے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

www.novelsclubb.com

مومن کی سیاہ نظریں لمحے بھر کے لیے ایمان کے چہرے پر پڑی تھیں۔ جانچتی ہوئیں، جیسے کوئی ثبوت ڈھونڈنے کی کوشش میں ہوں۔

ایمان نے گلاس لبوں سے لگانے سے پہلے ایک طنزیہ مسکراہٹ اچھالی پھر لمبا گھونٹ بھرا۔ایسا نہیں تھا کہ وہ ٹویٹر اور انسٹا گرام پر چلتے ہیش ٹیگز نہیں دیکھ سکتی تھی۔

#MedusaInFire

سوچتے ہوئے ہی ایمان کے دانت بھینچ گئے۔وہ انتہائی فضول ہیش ٹیگ پچھلے ہفتے منظرِ عام پر آیا تھا اور آگ پکڑ گیا تھا۔اور یہ pun not intended تھی۔

(یہ مذاق جان بوجھ کر نہیں کیا گیا)۔

ؒ جتنا ہی ٹی وی کے نیوز چینلز بدلتے رہیں،اس سے یہ حقیقت نہیں جھٹلائی جا سکتی تھی کہ دنیا ایمان جاوید سے نفرت کرتی تھی۔ہاں،کچھ لوگ تھے جو اس میڈوسا کو وکٹم (مظلوم) سمجھتے تھے اور بہت سی عورتیں اس کے حق میں بولنے کے لیے کھڑی تھیں۔لیکن وہ مراد علی کے بیٹے کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔

طلحہ مراد۔ پاکستان کے سب سے بڑے نیوز اینکرز اور پروڈیوسرز میں سے ایک کا بیٹا اور ایک جرنلسٹ جس نے دو سال پہلے ایمان کو میڈوسا سے تشبیہہ دی تھی۔ وہ یونانی گورگن جس کے بالوں کی جگہ سانپ تھے اور نظریں پتھرا دینے والی تھیں۔

وہ ایک وائرل ہوئی ویڈیو تھی اور جیسے تہلکہ مچ گیا تھا۔ اس کے نام پر ایک انسٹا گرام کا ہیٹ پیج بھی تھا جس کے فالوورز اس کے اپنے بزنس اکاؤنٹ کے آدھے تھے۔ اتنی نفرت شاید ہی اس نے اپنے لیے تصور کی ہو۔ ہاں، وہ امیر تھی۔ ہاں، کبھی فضول خرچ بھی رہی ہو گی۔ ہاں، یہ بھی سچ تھا کہ اسے اپنی ظاہری خوبصورتی پر بے حد مان تھا۔ لیکن وہ تو ہر لڑکی کو نہیں ہونا چاہیے؟

اس کی ساری زندگی انٹرنیٹ پر لوگوں کے دیکھنے کے لیے دستیاب تھی۔ اس سے ہمدردی رکھنے والے بھی بہت تھے مگر وہ ہیٹ اکاؤنٹ اس کی برداشت سے زیادہ تھا۔ وہاں اپنی زخمی، لاش جیسی دکھنے والی تصویر جو کسی طرح پولیس والوں سے لیک ہو گئی تھی اور اس کے نیچے ہنسنے والے ایموجیز دیکھنا۔۔۔ کربناک تھا۔ کتنے ہی

www.novelsclubb.com

بے حس لوگ تھے جو کمینٹس میں ''یہ اسی قابل ہے!''، ''well deserved''اور ''بہت اچھا ہوا۔''قسم کے الفاظ استعمال کر رہے تھے۔

ایسے جیسے وہ کسی باپ کی بیٹی یا کسی کی بہن تھی ہی نہیں۔وہ ایک لڑکی تھی نہ ایک انسان۔وہ ایک ڈائن تھی جسے کم عمری میں اس کی قابلیت سے بڑھ کر اثاثے اور جائیداد مل گئی تھی۔یا یہ لوگ حسد میں مبتلا تھے یا ان کی ہر بات میں سچ تھا لیکن ایمان کو۔۔۔دانت ایک دوسرے میں بہت زور سے پیوست کیے۔۔۔

کچھ بھی یاد نہیں تھا۔

اور اب، جب کسی طرح ایمان کے اس کیس اور مشتبہ ہونے والے چکر کا پتہ مراد علی کو لگ گیا تھا، تو وہ منہ پھٹ آدمی اپنے بیٹے کے ساتھ اسے پورے میڈیا میں پھیلا رہا تھا۔

بندہ مشہور ہو، لیکن اتنا بھی نہیں۔

"انسپیکٹر مرزا پرسوں میرے اپارٹمنٹ پہنچا ہوا تھا۔"

مومن کے الفاظ نے اسے اپنے خیالات اور طٰہٰ کو اپنی کرسی سے باہر نکالا۔

"تم نے بہت جلدی نہیں مطلع کر دیا؟" طٰہٰ کی سنہری آنکھوں میں شرارے تھے۔

"کل میں مصروف تھا۔ پرسوں بھی اس نے میرے چند کاموں میں ٹانگ اڑائی تھی اس لیے مجھے اسے تھوڑا۔۔۔ سمجھا کر۔۔۔ واپس بھیجنا پڑا۔" مومن کے لب کونوں سے اوپر کو مڑے ہوئے تھے جیسے کوئی اطمینان بخش منظر یاد آیا ہو۔

"تم نے کیا کیا ہے، مومن طٰہٰ ابرار؟"

وہ طٰہٰ انکل سے ہائی کورٹ وکیل طٰہٰ ماجد ابرار بن چکے تھے۔ ترش، کرخت اور لہجے میں بے رحمی لیے۔

"کچھ خاص نہیں۔ بس وہ اب دوبارہ میرے روم میٹ کو ستانے نہیں آئے گا۔"

آنکھوں میں تین ستارے تھے۔ ایک محظوظ چمک۔

"تم نے کیا کیا ہے؟" سینیئر اٹارنی نے سختی سے دہرایا۔

"میں نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔" اس نے کانٹا پلیٹ میں دھرا۔ "اپنے روم میٹ کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"احتشام کے اس بیوقوف بھتیجے کی تو۔۔۔"

(اپنے فور پوسٹر بیڈ پر اوندھے ہو کر پڑے اس بیوقوف بھتیجے کی کروٹ لیتے آنکھ کھلی۔ "کسی نے مجھے یاد کیا ہے؟۔۔۔" آنکھیں مسلتے گرم رضائی کو ٹھوڑی سے اوپر چڑھایا۔

"کرتے رہو۔" تکیہ درست کیا پھر سر نیچے گراتے وہ دوبارہ سو گیا۔)

"اس پولیس والے کو اپنی حدود میں رہنے کی زیادہ ضرورت ہے۔" مومن نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم برخوردار، ابھی اسی وقت یہاں سے گم نہیں ہوئے تو۔۔۔"

www.novelsclubb.com

اس سے پہلے کہ طٰہ اپنی دھمکی پوری کرتے، زرینہ نے اپنا توس پلیٹ میں پٹخنے کے سے انداز میں گرادیا۔

"سوائے بولنے کہ دونوں باپ بیٹے کو کوئی کام نہیں ہے۔" آنکھوں میں طیش اور ناگواری تھی، لہجہ ان کے بر عکس پر سکون تھا۔ "طٰہ، آپ نے کھالیا ہے تو کام پر جائیں۔ گھر پر سکون ہو تھوڑا۔ مومن، یہاں پر ایک مہمان بن کر آئے ہو تو مہمان ہی رہو۔ زیادہ فری ہونے اور اتنا بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لڑکے چپ ہی اچھے لگتے ہیں اور ضعیف مرد اس سے بھی زیادہ۔"

لڑکے اور ضعیف مرد کے چہرے کے شاکی تاثرات حیرت انگیز طور پر مشابہت رکھتے تھے۔ ایمان نے اپنی ہنسی چھینک میں چھپائی۔

"میں پینتالیس سے ایک دن اوپر کا نہیں ہوں۔" کچھ دیر بعد طٰہ نے میز پر ہاتھ جماتے شکایت کی۔

"پچھلے تئیس سالوں سے میں یہی سنتا آرہا ہوں۔" مومن باز نہیں رہا۔

زرینہ کرسی پیچھے دھکیلتے اٹھیں۔اصل میں ایک ملازم نے اسے کھینچا تھا لیکن تاثر کچھ ایسا ہی تھا۔اپنی ساڑھی کا پلو کہنی پر شاہانہ انداز میں موڑ کر ان دونوں پر ایک سخت سنجیدہ نظر ڈالی۔وہ ایک دم چپ کر گئے۔کان میں لگی بالیاں گلاس والز سے آتی ہلکی دھوپ میں ٹوٹے تارے جیسی لگتی تھیں۔وہ ایمان سے مخاطب ہوئیں۔

"مشعل کا وقت ہو گیا ہے،اس لیے تم بھی چلتی بنو۔سب لوگ،ڈائننگ ہال خالی کریں۔"حکم صادر کرتیں خود آگے بڑھ گئیں۔

"اوکے،باس!"

ایمان نے دو انگلیاں پیشانی سے جوڑ کر جیسے سلام پیش کیا۔ایک نرم مسکراہٹ ان کے لیے اور ایک معنی خیز نگاہ مومن کے لیے۔پھر وہ کھانا مگن ہو کر ختم کرنے لگی۔

***

دروازے کا ناب کھلا تو نیم اندھیر کمرے میں سرمئی آنکھوں کی چمک ابھری۔

ایمان جاوید نے گردن کمرے میں گھسائی۔ لمبی گردن، لمبی ناک، لمبی تاک۔

روشنی جلاتے اس نے دائیں بائیں گردن گھمائی پھر ایک قدم اندر لیا۔

الماریوں کی کھٹ پٹ، درازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی دھپ اور چند منٹ بعد وہ

بھاری لکڑی کا دروازہ بند کرتے باہر نکل رہی تھی۔

اپنا آپ ٹام اینڈ جیری کے شرلاک جیسا لگ رہا تھا۔ جیسے جیسے وہ ہر راہداری میں

میزوں، واز، پینٹنگز اور دوسری آرائیشی اشیاء کو محسوس کرتے ہوئے گزرتی گئی۔

بس ہاتھ میں عادشی شیشے کی کمی تھی۔

ہاں، اسے ٹام اینڈ جیری یاد تھے، اپنی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں۔ مگر خود ترسی

میں وہ بعد میں بھی غرق ہو سکتی تھی، ابھی اسے کام تھا۔

چند منٹ پہلے وہ اپنے ورک آؤٹ سیشن سے فارغ ہوئی تھی۔

اس کی ٹرینر اور فنریو تھراپسٹ کا نام مشعل تھا۔وہ اپنے نام کی ایک ہی تھی، ایمان کا پورا بدن جل رہا تھا۔ پچھلے کئی دن سے اس کی روٹین یہی تھی۔اذان کے ساتھ جاگو، دل کیا تو نماز پڑھی ورنہ بس بالکونی سے باہر سورج کو طلوع ہوتے دیکھو۔

ناشتہ اور پھر اس سفید دانتوں، روزانہ کا سیج گرین یونیفارم اور تیز چلتی زبان والی مشعل کے ساتھ فنریو تھراپی بھگتانا۔یہ ضروری تھا، کیونکہ اب جبکہ وہ تھوڑا چلنے پھرنے کے قابل ہوئی تھی، اگر مسلسل اپنی بائیں ٹانگ سے کام نہ لیتی، تو وہ اس پہ جواب دے سکتی تھی۔

جب وہ فارغ ہو جاتی تو اس عالیشان قصر کے غیر عالیشان رازوں کی کھوج پر نکل جاتی۔ایسے میں اسے ملائکہ کسی وجہ سے یاد آتی تھی لیکن وہ تو۔۔۔ باہر تھی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

یوں اس گھر میں تلاشی لینا ایک مجبوری تھی۔ مسئلہ اس کے تجسس کا نہیں، ان لوگوں کی قفل زدہ زبانوں کا تھا۔ اگر وہ کوئی بھی اہم بات پوچھتی تو ہر کوئی بات گول کر جاتا تھا۔ رئیسہ بانو بھی۔

"میری حقیقی ماں کو کیا ہوا تھا؟" جب اس نے پہلی دفعہ کوشش کی تھی۔

"آپ کو دکھ ہوگا، جان کر کیا کریں گی؟" وہ چادر سے آنکھیں پونچھتی وہاں سے چلی گئی تھیں۔ ایمان کو شک تھا کہ وہ آنسو نہیں تھے۔

"بانو، آپ کیسا لذیز کھانا بناتی ہیں۔" مکھن نہیں نیوٹیلا لگائی گئی تھی۔ "میرے ابا کو کس نے قتل کیا تھا اور کیوں؟"

"آپ کو دکھ ہوگا، جان کر کیا کریں گی؟" وہ دوبارہ چادر سے منہ ڈھانپتے چلی گئی تھیں۔

سونے سے پہلے بانو کو اپنے پاس روک کر زمل کے بارے میں لمبی گفتگو کے بیچ میں سوال کیا گیا۔ ”میری سوتیلی ماں کا کیا قصہ ہے؟“

”آپ کو دکھ ہو گا، جان کر کیا کریں گی؟“ دوبارہ وہی چادر اوپر اٹھتی دیکھ کر ایمان تکیے میں اپنا منہ دے کر رہ گئی تھی۔

”میرا کوئی اور بہن بھائی کیوں نہیں؟“ اس نے کل شام جان بوجھ کر یہ سوال کیا تھا۔

”آپ کو دکھ ہو گا، جان کر کیا کریں گی؟“

شکر تھا کہ ایمان نے اس سے پہلے ہی اپنی کھوج شروع کر دی تھی ورنہ اتنی دکھی باتیں، بانو اسے بتا ہی نہ دیتیں۔

غصے سے انگلیاں چٹخاتے وہ بھوری سفید راہداری میں چل رہی تھی۔ ایک تولیے سے اپنی گردن پونچھتی گئی۔ اونچی پونی ٹیل والے بال ہر قدم کے ساتھ جھولتے

تھے جو اسے انتہائی ناگوار کر رہا تھا۔اس نے اپنی جیکٹ کا ڈھیلا بازو سیدھا کیا۔وہ پسینے میں شرابور تھی اور سیاہ ٹراؤزر ز شرٹ میں گرمی مزید بڑھ گئی تھی حالانکہ سردیاں اپنے عروج پر تھیں۔

تین چار کمرے دیکھنے کے بعد وہ رکی ہی تھی جب ایک نیا دروازہ دکھائی دیا جو وہ قسم کھا کر کہہ سکتی تھی کل یہاں نہیں تھا(تم سچ میں پاگل ہو چکی ہو!اس کی نہ سنو جس نے کہا تھا یہ ناممکن ہے۔)وہ اس کی جانب تیزی سے بڑھی۔

ایک ہاتھ ناب پر تھا اور دوسرا تولیہ لیے گردن پر جب نگاہ اس تصویر کے فریم پر جا رکی۔

وہ سرمئی گلاب جس کا خون بہہ رہا تھا۔جس زاویے پر وہ کھڑی تھی،وہ سرمئی سے زیادہ چاندی جیسا لگتا تھا،اندھیرے سے زیادہ روشنی میں۔جیسے سایوں میں اندھیر ہونے کا منتظر ہو۔

www.novelsclubb.com

اس نے نیچے پڑا سفید واز چھوا۔ ہاتھ لگانے پر وہ تھوڑا کھردرا تھا، اس پر بنے مرجھائے پھولوں کا ڈیزائن چمکتا ہوا۔ اندر ایک سفید گلاب تھا۔ صرف ایک۔ تازہ لگتا تھا۔

وہ اس کی مہک سونگھنے کے لیے تھوڑا جھکی اور جیسے کسی سالوں پرانی مسرت سے اس کا دل بھر گیا ہو، اس کا سر چکرا سا گیا۔ ایک ایسی الفت جسے وہ محسوس کر سکتی تھی لیکن کسی یاد سے نہیں جوڑ سکتی تھی کیونکہ اسے سب کچھ بھول گیا تھا۔۔۔

وہ آگے چلتی گئی، ایک ایسے شخص کی طرح جو psychedelics کے زیرِ اثر ایک نئی دنیا کو دیکھ رہا ہو، اپنی اصل دنیا سے یکسر لاتعلق۔

وہ دروازے کے بعد دروازہ کھول رہی تھی۔ اسے اپنے کمرے کا راستہ اب یاد نہیں تھا، جانتی تھی کہ جب تک یہاں ہے، ایسا ہوتا رہے گا۔

اس نے دہلیز کے پار قدم رکھا۔

(مجھے ایک آگ نہیں ڈراتی۔ نہ ایسے لوگ جو خود کو میرا اپنا کہتے ہیں مگر یہ کہ مجھے وہ یاد نہیں۔ سب سے بڑھ کر، میں اپنی یادداشت کھو جانے سے بھی نہیں ڈرتی۔ لیکن مجھے ایک چیز کا خوف ہے۔ ایک ایسی چیز جس پر میں یقین بھی نہیں کرتی۔

حادثہ۔)

اس کے سفید بال جوڑے میں تھے۔ سیاہ کپڑوں میں ملبوس لڑکی صبح کی تیز روشنی میں اس جنگل کا تنہا اندھیرا۔ وہ کھوج رہی تھی۔ مٹی پر، گرے پتوں پر، راکھ ہوئی گھاس پر۔ سامنے 'آگے جانا منع ہے' کی لمبی ٹیپیں لگی ہوئی تھیں۔ پولیس کی لگائی ہوئی۔ اس نے سر جھٹکا اور اس بنگلے کا احاطہ کرنے لگی۔

www.novelsclubb.com

(میں چہرے نہیں بھولتی تھی۔ اور نہ لوگوں کے نام۔ اتنا میں نے اپنے بارے میں جان لیا ہے۔ اگر کوئی میری جان کے پیچھے ہوتا، تو میں کیوں نہ جانتی؟)

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

زرینہ اپنے آئی پیڈ پر نقشہ کھینچ رہی تھیں۔ڈرائنگ بورڈ پر نوٹس چپکے تھے اور فریج دروازوں سے زردی مائل آسمان دکھتا تھا۔ستارے کی شکل کی بالیاں دمک رہی تھیں۔ایک لمحے کے لیے فرینچ ناٹ والا سر اٹھایا۔آنکھیں خالی تھیں۔

(اور اگر مجھے معلوم تھا کہ وہ کون ہے، تو وہ مجھ پر حملہ کیوں نہ کرتا؟ میں اس کی جگہ ہوتی تو کب کا خود کو اپنے راستے سے ہٹا چکی ہوتی۔یہ سب سے سادہ لائحہ عمل تھا۔)

زیب مجاہد اپنی سنہری رینج روور کو ڈرائیو کر رہا تھا۔پیشانی پر نادیدہ گھنگریالی لٹ گرتی تھی، نیوی بلیو سوٹ پہن رکھا تھا۔اور آنکھوں میں طیش تھا، ایسی برہمی جس میں جنگلات جل سکتے تھے۔دو تین گاڑیوں کے پاس سے تیز کٹ لیتے رفتار بڑھا دی۔

(جاوید کرمانی، دہشت گردی کا شکار۔منتہیٰ رمضان ایک سال بعد وہیں پر ہلاک۔ اس سے زیادہ شاعرانہ کیا ہو سکتا ہے؟ میرے ماں باپ کی موت محض حادثات

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

نہیں تھے۔ انہیں ڈھونڈ کر مارا گیا تھا۔ یہ ایک چال تھی۔ ایسی چال جس کا کوئی چلن واضح نہ ہو۔)

طٰہ نے اپنے روم میں کھڑے ایک قدیم سیاہ ڈبیا کا ڈھکن اٹھایا۔ نزاکت، بلکہ احترام سے اندر پڑی گھڑی نکالی۔ یہ ان کے والد ماجد ابرار کی نشانی تھی۔ طٰہ نے احتیاط سے اسے اپنی کلائی میں باندھ لیا۔ کلک کی آواز کے ساتھ جیسے رویے کی ساری گرماہٹ بھی نچڑ گئی۔ ساتھ پڑے تصویر کے فریم میں اپنی بیٹی کو دیکھا۔ سترہ سالہ مروارید ابرا۔ جواب ان کے پاس نہیں تھی۔ جسے انہوں نے اپنی ہر عزیز شے کے ساتھ کھو دیا تھا۔

www.novelsclubb.com

(میں دوغلے لوگوں سے نہیں ڈرتی۔ خود کو جتنا جاناہے، مجھ سے دوغلا ڈھونڈ کر لانا مشکل ہی ہوگا۔ لیکن کبھی کبھی دوغلے لوگوں کے ساتھ بھی حادثہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر انہیں ایک قاتل کہا جاتا ہے۔)

زمل کی آنکھیں نم تھیں۔ بکھرے گھنگریالے بال چہرے پر چپکتے ہوئے۔ وہ آج دوبارہ دیر سے جاگی تھی اور سکول نہیں جا پائی تھی۔ کچھ دیر تک بانو کی ذہن میں گونجتی ڈانٹ اور ان کے غصیلی انداز پر سہمتے، وہ ایک دم رونے لگی۔ نور نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

(میرے ماں باپ کی موت ماضی میں تراشا گیا ایک حادثہ ہے۔ میری یادداشت کا کھو جانا اور وہ آگ میرے حال میں بیتا ایک حادثہ ہے۔ مگر مستقبل میں جب کوئی مارا جائے گا، تو وہ ایک حادثہ نہیں ہو گا۔)

انسپیکٹر مرزا پولیس سٹیشن کے اپنے آفس کی کرسی پر بیٹھا پر خیال لگتا تھا۔ مونچھوں کو دو انگلیوں کے درمیان گھماتے، ایک جامنی اور ایک ٹھیک آنکھ کھلتے دروازے پر تھی۔ اس کے ماتحت ایک افسر اندر چند دستاویزات لیے آیا تو وہ مسکرایا۔

(ایک بات تو طے ہے۔ گنہگار کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ اس آگ اور اس رات اور اس سے پہلے کی ہر بات۔ انسپیکٹر مرزا کو سلاخوں کے پیچھے ڈالنے کے لیے ایک گنہگار چاہیے۔ چاہے اس کا گناہ وہ قتل نہ ہو۔ چاہے وہ دکھنے میں بھی ایک قاتل نہ ہو۔ آخر کو ایک قاتل ہونے کے لیے پستول اور خنجر ہی تو نہیں چاہیے ہوتے۔)

ملائکہ ابرار منزل کے گرد و نواح کے بلند و بالا قصر اور ان کے بیرونی لانز کی تصویریں کھینچ رہی تھی۔ چند ہمسایوں سے باتیں کرتے ہوئے، ان کی کہانیاں جانتے ہوئے۔ مسکراتے ہوئے وہ چند نئی بنی دوستوں کے ساتھ ان کے گھروں کی سیر کرنے نکل گئی۔

www.novelsclubb.com

(یہ سب پہیلیوں سے شروع ہوا ہے۔ ایک آگ۔ دوسروں کے ساتھ خود کو بھی بھلا دینا۔ میرا خود سے باتیں کرنا، کسی کا مجھے دھمکانا۔ یہ ایک پہیلی ہے جو میں اس گھر کی ہر دیوار میں جھانک کر ڈھونڈوں گی۔ پھر اس سے آگے بڑھوں گی۔)

مومن ایک پرانے آرٹ سٹوڈیو میں کھڑا تھا۔وہاں پینٹنگز ہی پینٹنگز تھیں۔ چھوٹے کینوس اور بڑے کینوس۔گہرے رنگوں میں کھنچی خوبصورت تصویریں اور ہلکے رنگوں میں بنا بھیانک سماں۔وہ ایک دراز میں کھوج رہا تھا جب اسے وہ دو چیزیں ملی۔ایک پرانا سفیدhair tuftوالا پینٹ برش اور ایک سرمئی مفلر جو بالکل صاف تھا۔لب حیرت سے وا تھے،آنکھوں میں ڈھیروں جذبات تھے۔اس نے انہیں بند کیا اور ایک گہری سانس لی۔پھر اس نے آنکھیں کھولیں۔پینٹ برش جیب میں ڈالتے اور مفلر گلے میں،وہ اس غیر ضروری یادوں سے بھرے کمرے سے باہر نکل آیا۔

www.novelsclubb.com

(یہ ایک کھیل ہے۔اور کھیل کھیل میں انسان سب کھیل جان جاتا ہے۔ویسے بھی،دیواروں کے کان ہوتے ہیں۔آنکھیں نہیں جو میرا چہرہ پڑھ لیں۔)

واپس حال میں آؤ تو اب تم ایمان جاوید کو ایک نئے کمرے میں سامان اوپر نیچے کرتے دیکھ سکو گے۔ قدم سوچے سمجھے نزاکت لیے۔ انداز جیسے فاختہ ہو، چالاکی جیسے ایک لومڑی۔

اس کے دائیں بائیں پینٹنگز تھیں، فریمز، مختلف آرائشی سامان جو دیواروں کو خالی نہیں رہنے دیتا تھا۔ وہ باہر نکلتے ناب گھما کر بند کر رہی تھی جب اس کی نگاہ وہاں پڑی۔ قصر کا مغربی حصے کی جانب کھلتی سیڑھیاں جہاں روشنی معمول سے کم تھی۔

وہ زینے پھلانگتے اوپر پہنچی۔ یہ راہداری پوشیدہ سی لگتی تھی لیکن ایسے جیسے چھپائی نہیں گئی تھی، بس لگتی تھی۔ جیسے کوئی طلسم ہو، کوئی فسوں، اسے یہاں سایے دکھائی دے رہے تھے۔ بڑے چھوٹے، فرنیچر کے، دوسرے سامان کے اور صرف دیواروں کے فرش پہ۔

www.novelsclubb.com

اندھیر، ہر اس سایے سے زیادہ اندھیر جو اسے رات کے پہر خوفزدہ کرتے تھے۔ شاید یہ وہ سایے تھے جن سے اسے واقعی خوفزدہ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن اندھیرے سے اسے صبح کے وقت ڈر نہیں لگتا تھا۔

وہ تاریکی کی جانب بڑھی۔

وہ سامنے کھڑے دوپٹ والے دروازوں کی اور قدم قدم چلنے لگی۔ ان کے نیچے ایک گلابی چھوٹا رگ (چھوٹا قالین) تھا جو اسے اپنی طرف کھینچتا تھا۔

وہ ان ڈبل ڈورز کو کھولنا چاہتی تھی۔۔۔ تب اس نے وہاں ایک سفید گلاب کی تصویر دیکھی، ویسا ہی خون آلود جیسے وہ سرمئی گلاب والی تصویر تھی تو وہ ٹھٹھک کر رک گئی۔ جیسے کانچ ٹوٹ گیا ہو، طلسم بھی ٹوٹ گیا تھا۔ وہ اپنے ہوش و حواس میں واپس آچکی تھی۔

اس نے سر جھٹکتے جیسے خود کو ایک آدھے پاگل انسان کی طرح چلنے پر ملامت کی، پھر اس پینٹنگ کو بغور جانچا۔اس میں بھی ایک پھول تھا اور اس میں بھی ایک لڑکی کی تصویر تھی۔ لیکن پتہ نہیں کیوں یہ خوبصورت سے زیادہ بھیانک تھی۔

دو لڑکیاں، سیاہ بالوں والی۔ان کے چہرے آپس میں جڑے ہوئے لگتے تھے، جیسے ایک ہی لڑکی اپنا سر دائیں سے بائیں لے جا رہی ہو۔سفید پھول ان کا چہرہ تھا اور خون ان کے لب تھے۔ مگر جو چیز ایمان کو کھٹک رہی تھی وہ ان کے چہروں کے تاثرات تھے۔

ایک کا چہرہ خالی تھا، اداس سا۔آنکھیں نیم وا، کندھے ڈھلکے ہوئے۔ جبکہ دوسری لڑکی کی مسکراہٹ سب سے تیز تھی، آنکھوں میں پاگل پن جیسے وہ کسی کا خون پی کر آئی ہو اور لب سرخ بھی اسی سے ہوں۔خون سے۔

ایمان نے اپنی گردن کا پچھلا حصہ سہلایا۔اس کے چھوٹے چھوٹے بال تک کھڑے ہو چکے تھے اور وجہ ایک دم سے پھیلتی ٹھنڈ نہیں تھی۔

www.novelsclubb.com

یہاں دھول مٹی کے آثار بھی تھے جیسے کوئی ان دو دروازوں تک سالوں سے نہ آیا ہو۔ پھر یہ الوژن پینٹنگ جسے کسی بھی گھر میں نہیں ہونا چاہیے۔اس کی کنپٹی پر پسینے کی ایک ٹھنڈی بوند ٹوٹ پڑی۔

ایمان نے اندر جانے کے بارے میں سوچا،ایک دفعہ،دو دفعہ۔ لیکن یونہی تو ایک ہارر فلم شروع ہوتی ہے، نہیں؟ایک خوبصورت لڑکی ایک سالوں سے ویران راہداری میں گھستی ہے،بیوقوفوں کی طرح ایک چھپے راز کو کھولتی ہے، جبکہ وہاں کا ہر سایہ اور ہر اندھیرا اسے کسی بدتر۔۔۔چیز۔۔۔کے وجود رکھنے کے بارے میں خبردار کرتا ہے۔۔۔

www.novelsclubb.com

اس نے آنکھیں گھمائیں۔وہ ایمان جاوید تھی۔یہ ابرار منزل کا محل تھا۔یہاں تین فلورس اور چار wings(شمالی، جنوبی، مشرقی اور مغربی حصے) تھے اور ایک بیسمنٹ۔یہاں بہترین سکیورٹی سٹاف موجود تھا اور یہ حقیقی زندگی تھی جہاں بھوت پریت نہیں، وحشی انسانوں کا راج تھا۔اور اتنا تو ایک امیزینگ لڑکی (جسے

امنیزیا ہو یعنی یادداشت چلی گئی ہو) بھی بتا سکتی تھی کہ دنیا میں سب سے بھیانک وجود انسانوں کا ہوتا ہے، کسی فیری ٹیل کے دیو یا ایک بھٹکتی ہوئی روح کا نہیں۔

مگر ممکن تھا یہاں ایک سے زیادہ روحیں ہوں، ایمان کے پیرانائڈ دماغ نے جیسے اپنی عقل جھاڑی۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے ہینڈل کھینچ کر ان دروازوں کو کھول دیا۔

اگر یہاں جانا منع ہوتا تو تالے بھی تو لگے ہوتے نا؟ خود کو تسلی دی۔ جاگرز میں مقید ایک پیر اس نئی کھوجی گئی زمین پر پڑا تھا۔

اندر اتنی زیادہ دھول بھری تھی، اتنی زیادہ مٹی، اتنا گند کہ چند لمحوں کے لیے اس کا سانس تک رک گیا۔ یہ مغربی حصے کا داخلی کمرہ تھا اور یہاں سے نئی راہداریاں اور نئے کمروں کو دروازے کھلتے تھے۔ صرف تین لوگ (مومن مہمان ہی تو تھا) اتنے بڑے قصر میں رہ کر کیا پا سکتے تھے، ایمان کے سر سے اوپر گزرنے والی بات تھی۔

وہ آگے بڑھنے لگی لیکن گردن پر جھرجھری سی ابھری، جیسے ایک لمبی انگلی ہو جو گردن سے نیچے کمر تک ایک پتیلی لکیر کھینچتے ہوئے نیچے چل رہی ہو۔اس نے سر ایک دم نفی میں ہلایا، وہ ڈر نہیں سکتی تھی۔ابھی سورج طلوع ہوئے وقت ہی کتنا ہوا تھا جو وہ اس کے غروب ہونے کے بعد دل میں بیٹھتے ڈر کو ابھی سے اپنے اندر جگہ دینے لگی تھی۔

پھر بھی، اسے اپنی جان عزیز تھی اور وہ ایک گمنام قتل شدہ حسینہ کے طور پر نہیں جانے جانا چاہتی تھی۔

الٹے پاؤں پیچھے چلتے وہ وہاں سے ایک میراتھان میں بھاگنے والے کی رفتار سے غائب ہوئی تھی۔

دروازے کے دونوں پٹ ہوا سے بند ہونے کی بلند آواز اگلے کئی گھنٹے اس کے کانوں میں گونجنے والی تھی۔

***

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

ایمان جب نہا دھو کر ایک نئی گہری بھوری سکرٹ اور سیاہ چھوٹے بلاؤز میں ملبوس گلے میں بیج رنگ مفلر پہنے نیچے آئی تو لاؤنج میں جانے سے پہلے صادق کو روک کر سختی سے پوچھا۔

"ملائکہ کہاں ہے؟"

"اندر۔" وہ غریب اس کی نظروں کے احاطے سے بے اختیار نکلا تھا۔

وہ لاؤنج میں آئی تو ملائکہ اسی کا انتظار کر رہی تھی۔

اس کے بھورے بال آج ایک فش ٹیل میں بندھے تھے اور سفید کندھوں سے ڈھلکتے سویٹر میں سے اس کی نیلی شرٹ جھلکتی تھی۔ جینز والی دونوں ٹانگیں کاؤچ پر موڑ رکھی تھیں اور گود میں میئونیز سینڈوچز کی پلیٹ تھی۔ ایک کونے میں تھوڑی

زیادہ ہی کیچ اپ تھی مگر جتنا ایمان نے اس لڑکی کو کیچ اپ کھاتے دیکھا تھا، اس نے بھی ختم ہو جانا تھا۔

''آؤ بیٹھو، بیٹھو۔ میں یہ ایک چیز ٹائپ کر لوں۔۔۔'' فون سکرین پر نفیس انگلیاں تیزی سے چلاتے وہ ایک دم رکی۔ ''لو گی؟'' اپنی پلیٹ کی جانب اشارہ کیا۔

ایمان نے سر کو نفی میں جنبش دی اور اس سے تھوڑے فاصلے پر کاؤچ پہ بیٹھ گئی۔ گود میں ایک براؤن کشن رکھ لیا۔ قریبی گول میز پر ایک چھوٹی شیشے کی پلیٹ میں ننھے گلاب کے پھول پڑے تھے۔ ایمان کا سانس تھم گیا۔ سفید گلاب۔

شاید ملائکہ جہاں سے آئی تھی وہیں سے توڑ لائی تھی۔ اس کو فون سے فارغ ہوتا نہ دیکھ کر ایمان نے سینڈوچ اٹھا لیا۔ اس کا ٹکڑا چباتے ہوئے لب سکڑ گئے۔ یا تو اس کے منہ کا ذائقہ خراب تھا یا آج کوئی بھی کھانے کی چیز ٹھیک نہیں بنی تھی۔

"توبہ ہے۔" ملائکہ نے انگوٹھے کے چھوٹے ناخن سے تھوڑی کھرچی۔ پھر شہد آنکھوں میں جیسے کوئی آئیڈیا آنے پر چمک ابھری، اس نے جلدی سے مزید کچھ لکھا اور فون بند کر کے ایک طرف میز پر سرکا دیا۔

"جی، ارشاد فرمایئے۔"

"کچھ خاص نہیں۔ مشعل کو لگتا ہے کہ دنیا کی ہر ایجاد کی گئی ورزش میرے لیے بہترین ہے اور طٰہٰ انکل نیوز چینل لگاتے لگاتے اپنے پاکستانی ڈرامہ لگا دیتے ہیں۔ مجھے نہیں پتہ کس پر زیادہ ہنسوں۔ ان کے چہرے کے بگڑتے زاویوں پر یا ان ڈرامہ کی چیختی عورتوں پر۔"

"اور آج کل لوگ کتنا تڑپتے ہیں وہ فضول چیزیں دیکھنے کے لیے۔ برا مت ماننا لیکن اگر ماہرہ خان کو کاسٹ کر کے ڈرامہ اتنا فضول بنانا ہو تو غیرت کی گولی کھا کر مر جانا چاہیے۔" اس سے پہلے کہ ملائکہ کسی اور ہی رو پر نکل جاتی، ایمان نے مداخلت کی۔

''ایک اور بات پتہ چلی ہے۔پولیس کو لگتا نہیں بلکہ یقین ہے کہ میرا کسی کے قتل میں ہاتھ ہے۔''

ملائکہ کی کہنی گود میں سے پھسل گئی۔مضطرب انداز میں پہلو بدلا۔

''میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ سکتا ہے۔''اس نے تشویش سے کہا۔''خیر،جب ان کے پاس کوئی اور مشتبہ نہیں،تو وہ اپنے اکلوتے گواہ کو ہی کٹہرے میں کھڑا کریں گے۔''سینڈوچ ختم کرتے بات بھی گویا ختم کر دی۔

''وہ مومن کے اپارٹمنٹ بھی گئے تھے۔پوچھ گچھ کے لیے۔''ایمان نے سیاہ لہجے میں کہا۔

''واٹ؟''ملائکہ کے ہاتھ سے خالی پلیٹ گر گئی۔توقع کے عین مطابق بالکل صاف تھی۔اس نے کاؤچ سے پیر اتارتے اسے اٹھایا پھر میز پر رکھتے واپس بیٹھ گئی۔

"اتنا ڈرامائی ری ایکشن دینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔وہ میرا۔۔۔منگیتر ہے۔ اور میں ایک مشکوک، ممکنہ عادی مجرمہ ہوں جس کی یادداشت بہت اچھی ٹائمنگ کے ساتھ چلی گئی ہے۔آف کورس، وہ اس کی بھی تلاشی لیں گے۔"

ملائکہ کی آنکھیں سارے کمرے میں جا جا کر رکتی تھیں سوائے ایمان کی آنکھوں پر۔پھر ان بھوری سیاہ دیواروں میں جیسے جن بھوت دیکھتے اس نے جھرجھری لی اور ایمان کو دیکھے بنا کہا۔

"مجھے یہ معاملہ ٹھیک نہیں لگ رہا۔ہم سب کی تلاشی ہو چکی ہے۔میری نہیں ہونی چاہیے تھی مگر وہ لوگ مجھ سے بھی دو دفعہ مل کر جا چکے ہیں۔اور دو دفعہ ملنے کا مطلب ہے۔۔۔"

"کہ وہ ضرورت سے زیادہ فارغ ہیں۔" ایمان نے جل کر کہا۔

ملائکہ تھوڑی تلے مٹھی جمائے اس کی طرح بے نیاز نہیں لگتی تھی مگر پھر اس نے اس بات کا پیچھا چھوڑ دیا۔

"آفس جانے کے لیے تیار ہو؟"

ایمان نے اپنے کپڑوں کے آگے ہاتھ لہرا کر ہوا میں لکیر سی کھینچی۔

"میں تمھیں اتنی تیار کیوں لگ رہی ہوں، بھلا؟"

"آج دوپہر ایک بجے؟" ملائکہ نے منہ پر ہاتھ رکھتے جمائی روکی۔

وہ رات دیر تک جاگ کر اپنے کمرے میں روشنیاں جلائے خدا جانے کیا کرتی رہتی تھی اور صبح دو تین گھنٹے کی نیند کے بعد اپنے ایڈونچرز پر چلی جایا کرتی تھی۔ پچھلے چند دنوں میں ایمان نے ملائکہ پر بہت بھروسہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ شاید نہیں کرنا چاہیے تھا، کہیں نہ کہیں اسے کچھ نہ کچھ کھٹکتا تھا۔ مگر اب فیصلہ کر لیا تھا سو کر لیا تھا۔

"ابھی چند گھنٹے پڑے ہیں۔ ایسا کرو اپنے دن کی روداد سناؤ جس کے لیے تم کب سے تڑپ رہی ہو۔" ایمان نے تازہ گلاب کی پتیوں کو لاشعوری طور پہ چنتے خاموشی توڑی۔

”سچی، آج کا ایڈونچر کافی خوش آئند ثابت ہوا ہے۔ پارک میں میں ہمارے پڑوسیوں سے ملی تھی اور ڈیڑھ گھنٹہ ان کا گھر دیکھ کر آرہی ہوں۔ ماننا پڑے گا، وہاں روشنیوں کا انتظام اس بھوت بنگلے سے بہتر ہے۔“

ملائکہ نے لاؤنج میں روشنی کی کمی کی جانب اشارہ کیا۔ یہاں بھی اونچے فرنچ ڈور تھے جو عمومی طور پر بڑی کھڑکیوں جیسے تھے مگر سلائیڈ کر کے کھلتے تھے۔ گھر میں آٹومیٹک لائٹس کے ہونے کے باوجود چند ایسی جگہیں تھیں جہاں روشنی مستقل طور پر کم رہتی تھی۔ جیسے جہاں ایمان آج گئی تھی۔ اس نے آنکھیں ترچھی کر لیں، کجا کہ خوف ظاہر ہو۔

www.novelsclubb.com

”انور صاحب کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ سائرہ صاحبہ ہماری زرینہ آنٹی سے زیادہ الفاظ کے چناؤ کا خیال رکھتی ہیں۔ جہاں تک میں نے دیکھا ہے، ان کی اپنی بیٹی کے ساتھ کوئی بچگانہ ناراضی بھی نہیں ہے جس کی بنا پر وہ اسے ہسپتال میں اکیلا چھوڑ دیں۔“

ایمان نے دایاں ابرو اٹھایا۔اب زرینہ اس کی ماں کی جگہ ہو گئی تھیں؟

"خیر، تمہارا بڑا دل ہو گا۔ میں بہت منتقم مزاج واقع ہوئی ہوں، آسانی سے معاف نہیں کرتی۔اوہ، سچ میں یاد آیا۔۔۔"

"تم مجھے اپنے بارے میں کیوں نہیں بتاتی ہو؟ مجھے اپنی کہانی سناؤ۔"ایمان نے بے اختیار سوال کر کے ملائکہ کو چونکا دیا۔وہ باہر سے آتی ہلکی سفیدی مائل روشنی اور سبزے کو تکنے لگی۔

"میری کہانی اتنی دلچسپ نہیں کہ کوئی اسے سننا چاہے۔"اس کی شفاف مسکراہٹ لوٹ آئی جو زخمی لگتی تھی۔

"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟"ایمان کا دل مسوس کر رہ گیا۔ایسا پہلی بار ہوا تھا۔

"کیونکہ وہ بہت بورنگ ہے۔"

www.novelsclubb.com

یہ ایک بچی کا معصوم، قدرے نروٹھا پن لیے جواب تھا۔ ایمان اور ملائکہ دونوں نے پیچھے دروازے کی جانب سر موڑا۔ ملائکہ نے اپنی کہانی روکے جانے پر قدرے ناراضی سے۔

"دیکھو کون صبح سویرے جاگ گیا ہے۔" ایمان نے مسکراہٹ دبائے مصنوعی برہمی سے کہا۔

زمل فاطمہ دو گھنگریالی پونی ٹیلز، جامنی مائی لیٹل پونی ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس ہاتھ میں ٹیبلٹ تھامے ان دونوں کے درمیان آکر بیٹھ گئی۔

سوئی سوئی آنکھیں ایمان کو دیکھتے ساتھ ہی بڑی ہوئیں پھر وہ بازو اس کے گرد پھیلاتے زور سے اس کے ساتھ لگ گئی۔ چہرے پر دنیا کے سب سے خوش انسان والی ہشاشیت تھی۔ اسے اپنے ساتھ بٹھاتے ایمان کو ٹویٹر اور انسٹا گرام کے ہیٹ کمینٹس اور خود سے نفرت کرنے والے ان اجنبیوں کی ذرا پرواہ نہیں رہی۔ بچے

اس دنیا کی شفاف ترین مخلوق تھے۔ باقی سب لوگ برے اور بے حد مشکوک تھے۔اور اسے ان کی پرواہ نہیں تھی۔

زمل رئیسہ بانو کی نواسی تھی۔ماں باپ کا کوئی اتہ پتہ نہیں تھا نہ بانو ذکر کرتی تھیں۔ زمل فاطمہ سکول جاتی تھی اور اسے روزانہ دیر سے جاگنے کا مسئلہ تھا۔اس کے علاوہ وہ بانو سے ڈانٹ بہت کھاتی تھی اور اس گھر میں جس شخص سے وہ سب سے زیادہ شرماتی تھی، وہ زرینہ بیگم تھیں۔زمل کا پسندیدہ انسان مومن تھا مگر ایمان اس کے ساتھ زیادہ وقت بتا کر واپس اپنی پہلی پوزیشن حاصل کر سکتی تھی۔زمل کا پسندیدہ سبجیکٹ میتھ تھا، پرانی ایمان کی طرح۔اور وجہ بھی سادہ سی تھی۔

"میتھ وہ واحد سبجیکٹ ہے جس میں ہر سوال کا کوئی نہ کوئی جواب ضرور ہوتا ہے۔ ایکویشنز، فارمولاز، نمبرز اور کوڈز، انسانوں سے بہتر ہوتے ہیں۔"زمل نے تین دن پہلے اپنی کتابوں میں گھسے جواب دیا تھا۔"آئی ڈونٹ نو کوڈز کیا ہوتے ہیں، مگر آپ یہی کہا کرتی تھیں۔"

ملائکہ کی آواز نے ایمان کو فوراً حال میں کھینچا۔

"تم نے میرا ڈائلاگ چھینا، زمل؟" وہ سینے پر بازو لپیٹے موصوفہ کو گھور رہی تھی۔

"آپ ویسے ہی کبھی چپ نہیں کرتیں۔ کسی کو تو آپ کی جگہ بولنا ہوگا۔ کیوں میں ٹھیک کہہ رہی ہوں، ایمان؟" زمل نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔

"تمہاری تو۔۔۔" ملائکہ نے بیچ میں خود کو روک لیا۔ اس کی نگاہ زمل کے ٹیبلٹ پہ پڑی تھی جو وہ میز پر گرا کر ایمان سے جھپٹ گئی تھی۔ زمل کی نگاہ بھی ملائکہ کی نظروں کے تعاقب میں وہیں پر جا ٹکی تھی۔ اس پہ فری فائر کا میچ چل رہا تھا۔

"نہیں، ملائکہ آپی، آپ یہ نہیں کر سکتیں۔ میرے سارے kills ضائع ہو جائیں گے۔" وہ ایک دم پریشانی سے منت سماجت پر اتر آئی۔

"اور میں ایسا کیوں نہ کروں؟" ملائکہ نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میں تو بہت بولتی ہوں؟"

"اب وہ تو سچ ہے، اس میں میری کیا غلطی۔۔۔"

ملائکہ اس کے ٹیبلٹ کو اٹھا کر ایک دم بڑی شیشے کی میز کی مخالف سمت لپکی۔ باہر لان کی جانب۔

"نہیں!" زمل زور سے چلاتے ایمان کو بھلائے ملائکہ کے پیچھے بھاگی تھی جو جلدی میں بڑے پردے اپنے پیچھے لہراتے ہوئے چھوڑتی بیرونی لان میں بھاگ گئی تھی۔

بغیر چپل یا کسی جوتے کے۔

ایمان نے جھرجھری لی اور نزاکت سے اپنی ہیلز کو ایک دفعہ یقین دہانی کرنے کے سے انداز میں چھوتے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں ہے یہ شریر بچی؟"

ایمان کو دوسرا دل کا دورہ ہوتے ہوتے بچا۔

رئیسہ بانو ایک بار پھر چپ چاپ اس کے پیچھے سے نکل آئی تھیں۔ ایمان نے ناک سے لمبا سانس لیتے دھڑکنیں ہموار کیں۔

"مجھے نہیں معلوم۔ باہر گئی ہے ابھی ابھی۔ اور جب آپ آتی ہیں تو ذرا۔۔۔"

ایمان نے ان کے غصیلے انداز پر تھوک نگلا۔ آج تو سب ہی ڈرانے پر تلے ہوئے تھے۔ "کچھ نہیں۔ باہر ہے وہ۔ آپ کی نواسی۔"

وہ آہستہ سے لاؤنج سے باہر نکل آئی۔ راہداری میں بائیں طرف، پھر ایک دایاں رخ اور ان بڑے مصنوعی کیکٹس کے درمیان والا سفید دروازہ زرینہ نازنین کے ہوم آفس کا تھا۔

ایمان خاموشی سے اسے کھول کر اندر آئی پھر اپنے پیچھے ناب گھما کر اسے بند کر دیا۔ کام کے وقت زرینہ چھوٹی سے چھوٹی خلل برداشت نہیں کرتی تھیں اس لیے ایمان کو دروازہ کھٹکھٹانے سے منع کر رکھا تھا۔

www.novelsclubb.com

وہ ابھی بھی پورے انہماک سے کھڑی اپنے ڈرائنگ بورڈ کے آگے کام کر رہی تھیں۔پر فکر نگاہیں پھر اپنے آئی پیڈ پر، انگلیوں میں اس کا پین مسلسل ایک بحر کے ساتھ گھومتا ہوا۔

''ڈیزائن اچھا ہے۔مجھے نہیں لگا تھا اس خاموش چہرے کے پیچھے اتنے آئیڈیاز ہونگے۔''

ایمان نے ان کے کان میں سرگوشی کی۔ظاہر سی بات تھی، زرینہ ایمان نہیں تھیں اس لیے یوں اچانک حملے پر نہیں ڈریں۔ابرو ناگواری سے ایک لکیر میں کھنچ گئے۔مغرور ناک سے اس کی جانب رخ کیا۔

''کیا جاننا ہے؟'' بے صبری سے کہا۔یعنی ایمان کی فصیح البلاغت (مکھن لگانا) بے فائدہ رہی۔

"زیب کے مالک اور کے ڈی کے بارے میں۔" ایمان نے انگلیاں باہم پھنساتے ان کے سٹول پر جگہ لے لی۔ وہ روزانہ یہیں آکر بیٹھتی تھی اور زرینہ کھڑے کھڑے اس کی حرکتوں پر محض ابرو اٹھا کر اپنے کام میں لگی رہتی تھیں۔

"زیب کا self-centered مالک زیب مجاہد ہے۔ میرا دیور۔ طٰہ کا سوتیلا بھائی۔ مومن کا چاچو۔ تم اسے جانتی ہو۔ کے ڈی تمہارا اور ملائکہ کا ہے۔"

"ملائکہ کا کیوں؟"

زرینہ کا لکیر کھینچتا ہاتھ رکا۔

"تم نے خود اسے آدھے شئیر زدیے تھے۔ جاوید نے اس کے لیے بہت کچھ چھوڑا تھا، وہ امراء کا بھی امیر تھا۔ مگر کے ڈی میں حصہ دینے والی تم تھیں۔"

ایمان آگے کو جھکی۔

"کب؟"

"ایک سال پہلے۔"

"اور ایک سال پہلے ایسا کیا ہوا تھا جو مومن میرا ایم ڈی اور ملائکہ کو پارٹنر بن گئی؟"

زرینہ کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ دوڑی۔ "تم نے ان دونوں کو بلایا تھا۔ خود ان کے در پر گئی تھیں۔"

ایمان کی بھنویں اکٹھی ہوئیں۔

"میں نے خود ایسا کیوں کیا؟"

"اپنے دل سے پوچھو۔ دماغ میں تو کوئی یاد نہیں ہے۔" پلکیں سکیڑ کر اس پہ بے نیاز نظر ڈالی پھر واپس اپنے کام پر متوجہ ہو گئیں۔ "یہاں سے جاؤ۔ میں فارغ نہیں ہوں۔"

ایمان کی یادداشت پر تنقید کر کے انہیں واقعی لگتا تھا کہ وہ اس کے ساتھ یوں بات کر سکتی ہیں؟ ہونہہ، اس زندگی میں نہیں۔

”آپ کا کام بہت اہم نہیں ہے۔ایک پوری آرکیٹیکچر فرم کی سی ای او ہیں آپ۔ اور باس کا کام ورکر سے زیادہ نہیں ہوتا۔آپ اپنی مرضی کی ویسے ہی مالک ہیں، جیسے اس فرم کی۔جب چاہیں حاضری دیں، جب چاہیں گھر پر رہیں۔میرے سوالات کے جوابات آپ پر مگر لازم ہیں۔کیونکہ میں ایسے آپ کا پیچھا نہیں چھوڑنے والی۔“

”میں ہی کیوں؟“ یہ کوئی تھکاہارا بے بس سوال نہیں تھا۔یہ بھی ایک حکم تھا۔

”میں نے ابرار منزل کے مکینوں کو جتنا پرکھا ہے، آپ مجھے اپنی اکلوتی ساتھی نظر آتی ہیں۔“

”میں تمہاری یا کسی کی بھی ساتھی نہیں ہوں۔“

"میں اپنی بات بیان کرتی ہوں۔ساتھی سے مراد سب سے سچا انسان ہے۔یہاں پر صرف آپ سچ بولتی ہیں۔"

"سچ چھپا بھی لیتی ہوں۔"اونچے فرنچ دروازوں سے آتی سنہری روشنی ان کی پشت پہ پڑتی تھی اور جس زاویے پر ایمان بیٹھی تھی، زرینہ کا مکمل چہرہ اندھیرے میں آتا تھا۔

"جانتی ہوں۔اسی لیے آپ پر بھروسہ ہے۔آپ سچ کے سوا کچھ نہیں کہتیں۔اور جو نہیں کہتیں، وہ بھی سچ ہے۔"

زرینہ ڈرائنگ بورڈ پر دوبارہ جھک گئیں مگر اب کے لب متاثر انداز میں مڑے ہوئے تھے۔ایمان نے انہیں اپنا ہم خیال بنا لیا تھا۔

"غلط عورت پر بھروسہ کر رہی ہو۔"

"جس پہ کرنا چاہیے، وہ قابلِ اعتبار نہیں لگتی۔"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"جو حقیقتاً نا قابلِ اعتبار ہے، اس پر کرو گی؟"

"آپ پر بھروسہ، دل نہیں دماغ کے ہاتھوں مجبور ہو کے کر رہی ہوں۔"

"غلط فیصلہ ہے۔"

"یہ تو وقت ہی بتائے گا۔"

"یقیناً۔"

ایمان نے اپنے فون کے ساتھ جڑی کی چین کو انگلیوں کے بیچ مروڑا۔ زرینہ نے اپنا سونے کا لمبا اور نفیس ہار درست کیا، ستارے کی شکل کی بالیاں چھوئیں۔ ایمان کا عکس ان میں دکھائی دیتا تھا اور اس کی اپنے عکس پر ہی نگاہ پڑی تھی جب بنا سوچے لبوں سے یہ آزاد کیا۔

"کیا میں کبھی hallucinate کرتی تھی؟"

***

www.novelsclubb.com

”وہ ایک لائر بننا چاہتا تھا۔“سیلینہ نے آہ بھری۔”مگر قسمت دیکھو، لاء سکول سے نکلتے ساتھ ہی جیل ہو گئی۔ تین سال جیل میں، جانتی ہو رمیشہ، انسان کے ساتھ کیا کر دیتے ہیں؟ وہ کبھی اس ٹراما سے نکل ہی نہیں پایا ہو گا۔“

وہ ہمیشہ کی طرح دس بجے اپنی دوست کے چمکتے ووڈن ڈیسک پر گاسپ کے لیے کمر ٹکائے کھڑی تھی۔

”لیکن اب تو وہ ایک کامیاب بزنس مین ہیں۔ پھر ہمیں ان پرانے معاملات کو نہیں چھیڑنا چاہیے، رائٹ؟“آئرن سے کرل کیے بالوں والی رمیشہ بزدار نے نرمی سے ڈپٹا۔ جسے وہ 'ان' کہتی تھی، سیلینہ اسے 'اس' کہتی تھی۔

”مگر تم اسے دیکھتی نہیں ہو؟ کمال مجاہد کی بزنس ایمپائر سنبھالنے کی بجائے اس نے اپنی محنت کی۔ زیب نے 'زیب' کو بنایا۔ وہ خود ایک باکمال انسان ہے۔“ سیلینہ نے مٹھی ڈیسک پر جماتے جیسے اپنی حتمی رائے دی۔

”پھر بھی ان کی بیوی انہیں چھوڑ کر چلی گئی اور وہ آج تک اس سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ پتہ نہیں محبت اتنی عجیب کیوں ہوتی ہے؟“ رمیشہ کے ہیرے کی شکل والے چہرے پر سایہ سالہرایا۔

”میں محبت پر یقین نہیں کرتی۔ یہاں میں تمہیں اتنے بڑے آدمی کی کامیابیاں گنوا رہی ہوں، جو خوش قسمتی سے ہمارا باس بھی ہے اور تم۔۔۔“

”وہ کے ڈی پہ قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اس سافٹویئر کمپنی کی مالکن کتنی ہی ناقابلِ اعتماد کیوں نہ ہو، یہ شخص اس کا سب کچھ چھین لینا چاہتا ہے۔“ رمیشہ نے راز کی بات اگلتے سیلینہ کے دلچسپی لیتے چہرے کو دیکھا تو پچھتائی۔

”تو یہ بات تھی۔ میں بھی کہوں وہ بار بار کے ڈی کس خوشی میں جاتا ہے جب اپنے ہی بھائی سے سال میں دو بار سے زیادہ ملاقات نہیں ہوتی۔“ اس کی نگاہیں ایلیویٹر پہ جمی تھیں۔

www.novelsclubb.com

"ابھی ان کی ایکس یہاں آئی ہوئی ہیں۔ آنے والے برے وقتوں کے لیے تیار رہو۔"

"یہ سارے ایکس اتنے فتنے کیوں ہوتے ہیں؟" سیلینہ نے ناگواری سے کہا۔

رمیشہ نے اپنے ہاتھ کی کلائی پہ نظر ڈالی۔ انگلی پر لگے بینڈ کے ہیرے کو چھوا۔ پھر سر جھٹکا۔

"پتہ نہیں۔ ان کے نام کے ساتھ ایکس کسی وجہ سے ہی لگتا ہے۔" رمیشہ ڈیسک کے پیچھے سے نکلی اور گملے میں لگے پودے کے بیچ سے اپنا نوٹ پیڈ نکالا۔ وہ ہر چند دن بعد کھو جاتا تھا اور پھر یہیں پڑا ملتا تھا۔ آج بھی یہیں پڑا تھا۔

"ہاں، اور یہی تو ہماری بورنگ زندگیوں میں تھوڑے رنگ بکھیرتے ہیں۔"

سیلینہ کی دلچسپ نگاہیں اب بھی ایلیویٹر کے برقی دروازوں پر تھیں۔ وہ کسی بھی وقت آسکتا تھا۔

''تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔ مانا کہ مجاہد صاحب لوگوں کو بنا کسی وارننگ کے نہیں نکالتے، لیکن تم ان کے ریڈار پر کافی عرصے سے ہو۔''

''کیا مطلب؟'' سیلینہ نے تعجب سے اس کی جانب رخ کیا۔

رمیشہ گڑبڑائی۔ آفس والوں نے اسے زبان پھسلنے پر چھوڑنا نہیں تھا۔

''کچھ نہیں، میں بس تمہیں سمجھانا چاہتی ہوں کہ۔۔۔''

اس سے پہلے کہ رمیشہ کو کوئی جھوٹ گھڑنا پڑتا، 'زیب' کا سیلف سینٹرڈ اور خود پسند مالک ایلیویٹر سے اپنے آفس کے چھٹے فلور پر داخل ہوا۔

وہ مضبوط قدم اٹھاتا سفید ماربل پر چل رہا تھا۔ سیاہ چمکتے لوفرز، نیوی بلیو ڈریس شرٹ اور پینٹس اور جیل سے پیچھے کو موڑے سیاہ گھنگریالے بال۔ وہ اپنے کف لنکس درست کر رہا تھا اور تیز تیز قدم لے رہا تھا۔ راستے میں کھڑے ایمپلائز مرعوبیت اور ستائش سے اس کے لیے جگہ چھوڑتے جا رہے تھے۔

سب معمول جیسا لگتا تھا۔آفس کے آرائشی پودے،ورکرز کی کی بورڈ پر چلتی انگلیاں اور کاغذات و صفحات کے تبادلے کی چہل پہل۔اگر کچھ نارمل نہیں تھا تو وہ زیب مجاہد کی سنہری آنکھیں تھیں۔ان میں پنپتا طیش مہینے میں ایک دفعہ ہی دیکھنے کو ملتا تھا۔وہ بھی صرف ایک عورت کی وجہ سے جو اس وقت اس کے ہی آفس میں براجمان تھی۔اس کی اجازت کے بغیر۔

شیشے کے کیبنز سے سب ایمپلائز اسے آتا دیکھ چکے تھے اور اس کے آفس میں جو عورت کھڑی اس کی منتظر تھی،اور جس کے جانے کے بعد جو طوفان ان سب کا منتظر تھا،اس خوفناک مستقبل سے جیسے نظریں چرانے کی بھی کوشش کر رہے تھے۔ایسا نہیں تھا کہ وہ لوگ زیب سے ڈرتے تھے۔وہ ایک آئیڈیل باس تھا۔ سب کی سنتا تھا اور سب کو خوش رکھتا تھا۔سوائے مہینے کے اس دن کے۔

آج ڈانٹ کھانے کی باری خود سیلینہ کی تھی اور اس کے علاوہ سارا آفس یہ بات جانتا تھا۔جس کا بھی 'لیکچر' ہوتا،چند دن پہلے ہی ہر کوئی اس سے بہت اچھا سلوک

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

کرنے لگ جاتا۔ جیسے قربانی کے بکرے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ مگر آخر کو کسی نہ کسی کو تو بس کے نیچے دھکیلنا تھا۔ یا زیب کی رینج روور کے نیچے۔

سب سے پہلے اس نے اپنی سیکرٹری رمیشہ کی طرف رخ کیا۔

"اسے اندر تم نے گھسنے دیا ہے؟" لہجہ دھیما تھا مگر سارے آفس میں سنائی دیا تھا۔

رمیشہ کے ساتھ کھڑی سیلینہ نے اس کا محافظ بنتے جواب دیا۔

"جی، مگر مس ملک نے ہمیں مجبور کیا تھا۔ انہوں نے۔۔۔"

"تم سے کہا کہ وہ تمہاری طرح ایک عورت ہے اور تمہیں اسی لیے اس کا ساتھ دینا چاہیے، نہیں؟" زیب کے جبڑے کی ہڈی نمایاں ہو رہی تھی۔ وہ کسی نہ کسی کو کچا چبا جانے کے موڈ میں لگتا تھا۔

"سر، آپ اندر جا کر ان سے پہلے بات کر لیں۔ مجھ سے بعد میں۔۔۔" رمیشہ نے تھکن سے کہنا چاہا مگر زیب نے اسے بھی کاٹ دیا۔

"تم سے میں بعد میں ہی نپٹوں گا، مس بزدار۔"

وہ دروازہ جتنے گرج دار انداز میں کھولتے ہوئے گھسا تھا، اسے اپنے پیچھے بند کرتے اس کا پورا روپ بدل گیا۔ وہ خاموش تھا، بلکہ پر سکون۔ آگے بڑھ کر اپنی دیوار میں بنی بک شیلف سے ایک موٹی کتاب نکالی۔ اسے سر براہی کرسی پر بیٹھتے اپنے ان چاہے مہمان کے سامنے تھوڑے زیادہ ہی زور سے۔۔۔ رکھ دیا۔ کم از کم اس نے وہ اس کے سر میں نہیں ماری تھی۔

"کیسے آنا ہوا ادھر، سائیکو؟" اس کے لہجے میں ٹھنڈی تپش تھی۔ چہرے پر قاتلانہ سکون۔

www.novelsclubb.com

پیچھے دیوار پر لگی گہرے رنگوں میں پینٹ کی گئی تصویر اسے مزید ہیبت ناک تاثر دیتی تھی۔ آسمان پر ڈھیروں بادل پھیلے تھے اس لیے شیشے کی دیواروں سے ہلکی سی قدرتی روشنی بھی اس بھورے اور سفید کارنر آفس کے اندر نہیں آسکتی تھی۔

انمول ملک اپنے کندھوں سے تھوڑے نیچے تک آتے ریشمی بال پیچھے کر کے مسکرائی۔ نارنجی کوٹ پر مور کی شکل کا نیلا بروچ پہنے اور برانڈڈ کرتا ٹراؤزرز میں ملبوس وہ ہمیشہ کی طرح زیب کو چیزیں توڑنے پر مجبور کر دینے کی حد تک حسین لگتی تھی۔ مگر وہ چیزیں نہیں توڑتا تھا۔ کس نے کہا ان چیزوں میں دل شامل تھا؟

""تمہارا چہرہ دیکھنے ہر گز نہیں آئی۔ تم کتنے کامیاب ہو، یہ بھی دیکھنے نہیں آئی۔""

انمول نے سینے پر بازو لپیٹتے اسے بغور دیکھا۔ اگر زیب مجاہد کے محل 'زیب' میں آنے کا اسے ایک فائدہ تھا تو وہ زیب کا بے سکون روپ دیکھنا تھا۔ کتنی محنت کرتا تھا نا وہ، مکمل طور پر ہر سچویشن کے قابو میں رہنے کی؟ اور انمول اس کے آفس میں ایک دفعہ حاضر ہو کر اس کی ساری محنت بے کار کر دیتی تھی۔

""تم آج تک مجھ سے موو آن نہیں کر پائے، یہ بھی دیکھنے نہیں آئی۔ کیسے تم نے ہر رشتہ پچھلے چند سالوں میں گنوا دیا ہے، یہ بھی دیکھنے نہیں آئی۔""

زیب نے اس عورت کا گلہ دبا دینا تھا اور اسے اس بات کی رتی برابر پرواہ نہیں تھی کہ وہ ایک عورت تھی۔ جہاں تک ان دونوں کا معاملہ تھا تو وہ دونوں رقیب تھے۔ سالوں سے۔ اور اتنی گہری دشمنی میں اخلاقیات اور اقدار نہیں دیکھی جاتیں۔

”جب کورٹ کے ذریعے تمہیں تمہاری ماہانہ رقم وقت پر موصول ہوتی ہے، تو بار بار یہاں کیوں اٹھ آتی ہو؟“ کوٹ پر لگے بروچ میں زیب کا خوفناک عکس دکھتا تھا۔ ”میں جانتا ہوں تم ایک سائیکو ہو۔ مجھ سے بدتر قسم کی۔ لالچی قسم کی۔ پھر بھی، یہاں بے عزت ہونے کے لیے کیوں آتی ہو؟“

انمول کے رخسار دہکنے لگے۔ زیب نے کبھی اس کے ساتھ ایسے الفاظ استعمال نہیں کیے تھے۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ زیب مجاہد کو اس کی جگہ یاد دلاتی، وہ انگلیاں باہم پھنسا کر میز پر آگے کو جھک گیا۔

www.novelsclubb.com

"مجھے اس بات کا جواب معلوم ہے۔ میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم آستین کے سانپ کو بھی پیچھے چھوڑ چکی ہو، سائیکو۔" وہ لقب۔ پھر سے۔ "مگر بار بار جانتی ہو واپس کیوں آتی ہو؟ کیونکہ تمہارے اندر گلٹ ہے۔"

زیب اپنی کرسی گھومتی چھوڑ کر خود ایک دم کھڑا ہوا تھا۔ پچھلے چند دن وہ بہت بڑے سیٹ بیکس سے دوچار ہوا تھا۔ اب اس سائیکو کو وہ ہمیشہ کی طرح لحاظ کرتے ہوئے اپنا وقت برباد کرنے نہیں دے سکتا تھا۔ کوٹ کا درمیانہ بٹن کھولتے وہ بڑی میز پر ایک ہاتھ پھیرتے اس کی جانب بڑھا تو انمول اپنی کرسی میں تھوڑا پیچھے ہوئی۔

www.novelsclubb.com

"تمہیں اپنے کیے پر پچھتاوا ہے۔ تمہیں وہ پیسے نہیں چاہیے ہیں جو میں تمہیں دیتا ہوں۔ تم ان سب کو میری سیکرٹری کی طرح چیریٹی میں دے ڈالتی ہو۔ تمہارے یہاں آنے کی اصل وجہ، انمول ملک، میں ہوں۔ مجھ سے معافی مانگنے کا جذبہ تمہیں یہاں کھینچ لاتا ہے مگر تمہاری انا تمہیں ہر دفعہ روک لیتی ہے۔" میز پر ہاتھ

مارا۔آخر کو سیلینہ نے بھی یہ اپنے باس سے سیکھا تھا۔"تم نے مجھے مایوس کیا ہے۔"

وہ اس کے بالکل پیچھے کھڑا تھا۔اس کے کولون کی مہک انمول کے نتھنوں سے ٹکرائی۔وہی کولون جو وہ سالوں سے استعمال کرتا رہا تھا۔یوں لگتا تھا جیسے لیدر اور پیپر منٹ کی مہک کو گھول کر قید کر لیا گیا ہو۔انمول کو طیش دلانے کے لیے اس کے کپڑوں سے اٹھتی یہ خوشبو ہی کافی تھی۔

وہ یکدم کرسی دھکیلتے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔وہ قد میں اس سے کافی اونچا تھا مگر انمول کی برہمی ہر بلندی پر حاوی تھی۔

"تم ایک نارسسٹ ہو،زیب مجاہد۔اپنے بارے میں تمہیں اتنی خوش فہمیاں ہیں کہ کوئی سائیکائٹرسٹ بھی تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔"

زیب نے طنزیہ مسکراتے اس کی جانب ایک پر سکون قدم لیا جو جارحانہ زیادہ تھا۔ طلاق کے بعد سے دونوں کے بیچ ایسی ہی پاور گیمز چلتی آئی تھیں۔وہ دیت کے نام

www.novelsclubb.com

پر اس کے آفس آجاتی اور وہ اس کی ہر اچھی بری سن کر اسے وہاں سے بھیج دیتا۔

زیب کی ہمیشہ کوشش ہوتی تھی کہ جتنا ہو سکے اپنا سارا اسٹریس اس عورت پر نکال کر اسے غصے میں ابلتا ہوا اپنے آفس سے نکالا کرے۔ بعض اوقات وہ کامیاب ہو جاتا اور بعض دفعہ اس کی ایکس وائف۔ مگر یہ جنگ کبھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ پچھلے گیارہ سال سے وہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

”تم نے جیسے بہت کچھ کر لیا تھا نا، جس کا بدلہ میں ابھی تک چکا رہا ہوں۔“

انمول نے انگلی سے اس کے سینے پر دستک دی۔ ”یہ تمہارے گناہ ہیں جو تمہارے آگے آرہے ہیں۔“

زیب نے اس کی انگلی پکڑ کر خود سے دور کی۔ ”میرے گناہ ہی ہیں جو آج مجھے یہ دن دکھا رہے ہیں۔“

www.novelsclubb.com

اس نے اپنی کھڑکی سے دکھائی دیتی انمول کی کار کی جانب ٹھوڑی سے اشارہ کیا۔ اس کی آنکھوں میں کرچیاں سی ابھریں مگر پھر وہ وہ معمول کے برخلاف، بے بسی مگر ایک اٹھی ہوئی گردن کے ساتھ مڑ گئی۔ زیب اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

یہ بھی ہر ماہ کی کارروائی تھی۔ جس سے گھنٹہ بھر اپنے آفس میں لڑتا، اسے خود بہت 'عزت' کے ساتھ اپنے آفس فلور کے ایلیویٹر تک چھوڑنے جاتا۔ وہ خود سے یہ اقرار کر سکتا تھا کہ وہ انمول سے ایک ایسی لڑائی کرنا چاہتا تھا جس میں اسے اپنی سکیورٹی کو شامل کرنے کا موقع ملتا۔ لیکن افسوس کے ساتھ گیارہ سالوں میں ایسا نہیں ہو پایا تھا اور اب ایک دہائی گزر جانے کے بعد امید کرنا تھوڑا مشکل تھا۔ پھر بھی اس نے دو انگلیاں کمر کے پیچھے کر اس میں موڑ رکھی تھیں۔

آفس ایسا خاموش تھا کہ سوئی گرتی تو آواز پیدا کرتی۔ اس میں صرف زیب کے بوٹوں اور انمول کے فارمل شوز کی دھمک کے اور کوئی آواز نہ تھی۔ رمیشہ نے پریشانی اور سیلینہ نے دلچسپی سے دونوں کو باہر جاتے دیکھا تھا۔ جب زیب نے

انمول کو ایلیویٹر میں پہلے قدم رکھنے دیا تو اس نے دونوں ہاتھوں کی انگشت شہادت اور انگوٹھوں سے ایک مستطیل شکل بنائی جیسے تصویر کھینچ رہی ہو۔ زیب کے مڑنے سے پہلے رمیشہ نے اس کے ہاتھ نیچے کھینچے تھے۔

جب ایلیویٹر کے دونوں پٹ بند ہوئے تو آفس میں جنازے کے وقت کا سا سناٹا چھا گیا۔ سب کی توقع کے مطابق زیب سیلینہ کی جانب بڑھا تھا۔

"رمیشہ، میری ڈرنک آفس میں۔ تمہارے پاس تین منٹ ہیں۔" پھر دو انگلیوں سے سیلینہ کو اپنی سمت بلایا۔ "تم، یہاں۔"

کیبن میں بیٹھے ہر فرد کا سانس ساکن تھا۔ رمیشہ کے ڈرنک لاتے ہاتھ کپکپا رہے تھے، پیشانی پر پسینے کی بوندیں تھیں۔ سیلینہ دل میں ہر کولیگ کو گالیوں سے نواز رہی تھی۔ وہ قربانی کا بکرا تھی اور اسے اس بات کا اندازہ قربانی سے چند سیکنڈ پہلے ہو رہا تھا۔

"افضل والوں کی فائلز۔" زیب نے سناٹا توڑا۔

"نہیں۔۔۔"سیلینہ نے کان چھوئے۔

"تمہارے پاس تین گھنٹے ہیں۔"

"مگر یہ کام تین ہفتوں میں بھی نہیں ہو سکتا، سر!"سیلینہ نے دہائی دی۔

"یہ تمہیں آج کے دن میری نظروں کے سامنے آنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔" زیب نے دانت کچکچائے۔"ایک ایک ڈاکومنٹ۔ ہر پرنٹ صاف اور دیکھنے لائق ہو۔"

"مگر، مگر۔۔۔سر!"

وہ کہتی رہ گئی مگر اس کا جابر باس رمیشہ سے اپنی ڈرنک پکڑتا، سیلینیم کو ایک انتہائی تھکا دینے والے کام کے ساتھ چھوڑ کر اپنے آفس میں دیر رات تک بند رہنے کے لیے گھس چکا تھا۔

***

www.novelsclubb.com

وہ ان دو عمارتوں کے درمیان گلی میں تیزی سے چل رہا تھا۔ یہاں ہر وقت حبس اور کائی کا پھیلاؤ رہتا تھا۔ زمین جگہ جگہ سے گیلی تھی اور جب بھی اس کے جاگرز اس گدلے پانی پر سے گزرتے تو اس کے چھلکنے کی آواز پیدا ہوتی۔

بادلوں نے صاف ہونا شروع کر دیا تھا جس کے باعث آسمان سے تھوڑی روشنی اس تاریک ویرانے تک پہنچتی تھی۔ لیکن یہ بھی وہاں کے اندھیرے کو مکمل طور پہ مٹانے کے لیے ناکافی تھی۔

وہ بھی جیسے اندھیرے کے سیاہ پن سے تراشا گیا تھا۔ سیاہ جیکٹ، سیاہ سلیکس۔ سر ایک سیاہ beanie سے ڈھانپ رکھا تھا اور گلے میں ایک سرمئی مفلر تھا۔

قدموں کی چاپ نہ ہونے کے برابر تھی لیکن پانی کے گڑھوں میں جیسے وہ اپنے جاگرز جان بوجھ کر گھسیٹتا تھا۔

وہ اس گلی کی سرمئی دیواروں اور سبز کائی کے درمیان چلتا واحد نفوس تھا۔ قدموں میں ایک خاموش ادا تھی، ٹانگیں ایک مضبوطی لیے آگے بڑھتی تھیں، اس کا پورا وجود جیسے پرعزم تھا۔ وہ ان دو خستہ عمارتوں کے درمیان ایک جگہ آکر رک گیا۔ دائیں جانب بڑے کوڑے دان تھے اور بائیں جانب ٹوٹے لکڑی کے پھٹے اور الماریاں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ بائیں جانب مڑا۔

اس کا قد ان چھ فٹ کی الماریوں سے قدرے چھوٹا تھا، سر پر پہنی بینی میں سے سیاہ بال پیشانی پر پھسلتے تھے اور ترش ابرو بھنچے ہوئے تھے۔

اس نے الماریوں کے ساتھ پڑا ایک وزنی پھٹا اٹھایا اور اس سے ان کو دھکیلتے اپنے راستے سے ہٹانے لگا۔ دور تک گرتے لکڑی کے ٹکڑوں کا شور سنائی دیتا تھا۔ پھر آگے ایک لوہے کا ہلکا نیلا زنگ سے اٹا دروازہ ظاہر ہوا۔ اس کے اوپری حصے میں ٹوٹے ہوئے کانچ تھے جہاں پہلے بیچ میں سے دیکھنے کے لیے شیشہ ہوتا ہوگا۔

www.novelsclubb.com

اس سیاہ آنکھوں والے شخص نے بیچ میں اپنا بازو دیتے اندر کی جانب سے اس کا لاک کھولا۔ چند لمحے جو وہ ضائع نہیں کر سکتا تھا، وہ اسے خرچ کرنے پڑے۔ پھر زنگ آلود دروازے کی کانوں میں چبھنے والی آواز سارے میں گونجی تھی۔

پھر تم کیا دیکھتے ہو، کمرے کے اندھیرے جتنی بجھی ہوئی آنکھوں والا مومن ابرار اس کے اندر قدم رکھ کر منظر سے غائب ہو جاتا ہے۔

***

لاہور کے جس کونے میں ابرار منزل واقع تھی، جہاں ابھی ایمان اور زرینہ ان کے ہوم آفس میں موجود تھے، وہاں بڑے فرنچ دروازوں سے کھلی روشنی اندر آتی تھی۔

ایمان اور زرینہ دونوں اب وہاں کی ایک گول میز کے گرد کرسیاں کھینچ کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ زرینہ کا آئی پیڈ سالوں میں پہلی دفعہ کام کے وقت بند پڑا تھا۔

”۔۔۔تو ممکن ہے کہ تم ہیلوسینیٹ کرتی تھیں۔ تھوڑی پاگل سی تو تم ہمیشہ ہی تھیں، مگر یہ بھی ناممکن نہیں کہ تم اصل میں پاگل تھیں۔“

”ذہنی صحت ایک ایسا موضوع نہیں جس پر اتنی بے باک رائے دی جائے۔“ ایمان نے میز پر ناخن کھرچتے سنجیدگی سے کہا۔

”ہوں، واٹ ایور۔ آج کل کی جنریشن بہت سینسیٹیو (حساس) ہے۔“ زرینہ نے ایک اور بے باک رائے دی۔

”آج کل کی جنریشن 'سینسیٹیو' نہیں ہے۔ ہمارے بڑے تہذیب یافتہ لوگ تھے مگر ان میں احساس نہیں تھا۔ آج اگر ہم دوسروں کا خیال رکھنے کو کسی بڑے کے نا حق ادب پر ترجیح دیں تو اس کی وجہ صرف یہ احساس ہے۔“ ایمان نے ناگواری سے لیکن لہجہ تمیزدارانہ رکھتے کہا تھا۔

www.novelsclubb.com

"ایک بار پھر، واٹ ایور۔" انہوں نے محض ایک شانہ اچکا دیا۔

ایمان اندر ہی اندر کڑھ کر رہ گئی۔ پچھلے روز ہی ملائکہ اپنی لمبی کہانیوں میں یہ لمبا درس گھسالائی تھی اور ابھی زرینہ کے سامنے ایمان کو اپنی سمجھداری ثابت کرنے کا موقع ملا تھا مگر یہ خاتون بڑی مستقل مزاج تھیں۔ انہوں نے قسم کھا رکھی تھی کہ ایمان کو اپنی موجودگی میں ایک دو سال کے بچے کی طرح محسوس کروانا ہے، سو کروانا ہے۔

ایمان نے مشعل کے سکھائے طریقے پر عمل کرتے تین گہرے گہرے سانس لیے۔ ذہن پھر دوبارہ اصل مسئلے پر جم گیا۔

"مگر اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ اگر بالفرض میں واقعی اپنا ایک عکس دیکھتی تھی اور اس سے باتیں کیا کرتی تھی، تو۔۔۔ اف، مجھے اس سب کی کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔"

"تمہاری اپنی سائیکاٹرسٹ سے ملاقات کیسی رہی؟" زرینہ نے غیر دلچسپی سے بہت عمدہ سوال کیا تھا۔

"وہ۔۔۔"

یاد کرتے ہوئے ایمان کو ایک بات کی تو تسلی رہی۔ ہسپتال میں جاگنے کے بعد سے اسے کوئی یادداشت کے مسائل پیش نہیں آئے تھے۔ ابرار منزل میں اسے اپنی قوتِ یادداشت مضبوط رکھنے کے کئی مواقع جو فراہم ہوتے رہتے تھے۔

اس کی اپنی سائیکائٹرسٹ سے 'پہلی' ملاقات چند دن پہلے ایک بند آفس میں نہیں بلکہ ایک پرائیویٹ ریستوران کے آؤٹ ڈور ٹیرس پر ہوئی تھی۔ ہلکی موسیقی، یاسمین کے پھولوں کی مہک اور ایک کاسنی نوٹ پیڈ لیے اس کی سائکائٹرسٹ جمع تھیراپسٹ ایک ریکلائنر پر بیٹھی تھیں۔

www.novelsclubb.com

"یہاں آنے کے لیے شکریہ، ایمان۔ ادھر بلانے کی صرف ایک وجہ تھی۔ سکون۔"

ایمان وہاں کی اونچی کھڑکیوں سے آتی نرم گرم دھوپ اور ماحول کے نیوٹرل رنگوں میں سجے فرنیچر اور سبزے سے سکون کا اندازہ تو لگا سکتی تھی۔ اس چھوٹے

بالوں والی پینیتیس کے لگ بھگ عورت کے سامنے نیلے ریکلائنز (صوفہ) پر بیٹھے ایمان نے پہلو بدلا۔

ایمان کافی دیر اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی مگر وہ عورت جیسے خاموش رہنے سے ہی مطمئن تھی۔اس ساری تھیراپی پر اتنا پیسہ ضائع کرنے کو ایک اچھا خیال نہ گردانتے وہ بالآخر بول اٹھی۔

"میں کچھ جاننا چاہتی ہوں۔"

وہ اس کے بولنے پر خوش دلی سے مسکراتی متوجہ ہوئی تھی۔"جی، کہیں۔"

ایمان نے تھوک نگلا۔لیکن ابھی نہیں تو کبھی نہیں۔

"میں جاننا چاہتی ہوں کہ میرے ساتھ غلط کیا ہے کیونکہ میں ٹھیک ہرگز نہیں۔"

دیوار پر لگے گھڑیال کی سوئیوں کے چلنے تک کی ٹک ٹک اب بہت بھاری تھی۔

”کوئی فیملی ڈراما پر گفتگو نہیں ہوگی۔ کوئی بچپن کے دل دہلا دینے والے واقعات اور ان سے جڑی میری بری عادات کا ذکر نہیں چھیڑا جائے گا۔اول تو مجھے وہ سب یاد نہیں،دوم میری اس سب میں دلچسپی نہیں۔“ایمان کا انداز دوٹوک تھا۔”مجھے strategiesچاہیے ہیں۔مجھے معلوم ہے کہ میری یادداشت واپس آنے کے امکانات ففٹی ففٹی ہیں۔میں کوشش کر کے اسے واپس پانا چاہتی ہوں۔اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو میں ایک ایک سیشن کے پیسے آپ کے بینک اکاؤنٹ سے واپس نکلواؤں گی ورنہ میرا نام،جیسا کہ سب میرے کانوں میں گھولنے کے عادی ہیں،ایمان جاوید نہیں۔“

www.novelsclubb.com

اس کی سائکاٹرسٹ جو اپنے شعبے میں پی ایچ ڈی رکھتی تھیں،اسے پہلے جیسے تاثرات کے ساتھ ہی دیکھ رہی تھیں۔ مسکراہٹ میں رتی برابر فرق نہیں آیا تھا۔

ایمان کے لب کونوں سے نیچے مڑ گئے۔

”میری حالت بہت خراب ہے،ہے نا؟“

"بہت خراب ہے نہ بالکل ٹھیک ہے۔"

اس سیشن کو یاد کرتے ایمان نئے سرے سے اضطراب کا شکار ہو گئی۔ آنکھیں کھول کر بند کیں پھر زرینہ کے آفس میں لگے ایبسٹریکٹ آرٹ کی تصاویر پر نظریں گاڑ دیں۔ ڈھیر سارے فریمز ایک تقریباً خالی دیوار پر لگے ہوئے تھے۔ ان میں نیوٹرل رنگوں سے چوکور، مثلث اور دائرے بنے ہوئے تھے۔ دکھنے میں عام سی تصاویر لگتی تھیں۔ قیمت کروڑوں میں تھی۔

"خود کو دیکھتے رہنے، خود سے باتیں کرنے۔۔۔ اس سب کی کوئی تو وجہ ہو گی۔"

ایمان ٹھوڑی کے نیچے دونوں مٹھیاں جماتے اکتاہٹ سے گویا ہوئی۔

"self-obsession?"

زرینہ نے گلے میں پہنی سونے کی چین میں انگلی ڈالتے تجویز پیش کی۔

"آپ کا sense of humour اچھا ہے، حسِ لطیفہ نہیں۔"

www.novelsclubb.com

"تمہارا sarcasm اچھا ہے، طنز نہیں۔"

ایمان نے دایاں ابرو اٹھایا۔

"کیا آپ میری کوئی مدد نہیں کر سکتیں؟"

وہ چاہتی تھی کہ زرینہ اسے اس کے والدین کی موت جیسے موضوع کے بارے میں کچھ بتاتیں مگر جاوید کے کیس کے بارے میں ان کی معلومات اتنی ہی محدود تھی جتنی کہ میڈیا کی۔ طٰہٰ نے ان سے بھی کبھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔

"تمہارے ساتھ بیٹھے بیٹھے میں اپنی زندگی کا ایک گھنٹہ۔۔۔"

"اکتالیس منٹ۔۔۔" تصحیح کی۔

"ضائع کر چکی ہوں۔ اور کیا چاہیے تمہیں مجھ سے؟"

ایمان لب بھینچے کچھ دیر انہیں گھورتی رہی۔ زرینہ نے آئی پیڈ پر دکھائی دیتے وقت کی طرف اشارہ کیا۔ "پینتالیس منٹ۔"

www.novelsclubb.com

”پندرہ منٹ اور دے دیں۔آپ مجھے ایک شخص کے بارے میں بتا سکتی ہیں۔۔۔“

اس نے فیصلہ کرتے اپنی تفتیش نئے سرے سے شروع کی۔

***

ابرار منزل سے کئی میل دور لاہور کے ایک دوسرے پوش علاقے میں کئی نئے بڑے بڑے رقبوں پر بنے رہائشی گھر تھے۔ان میں سے ایک تین منزلہ سفید سرمئی چوکور ڈیزائن میں بنا ماڈرن گھر،احتشام اورنگزیب کے نام تھا۔

یہ ایک قدرے پرسکون علاقہ تھا۔سنہری مائل آسمان تلے گھر ایک دوسرے سے بڑے بڑے فاصلوں پر بنے تھے۔بیچ میں حائل دیواریں بھی اتنی اونچی تھیں کہ ایک دوسرے کے وسیع لان نہ دکھائی دیتے۔یہاں سبزہ بہت زیادہ تھا۔خوبصورتی

سے اگائے گئے آرائشی پودے، پھول اور بلند و بالا درخت۔ایسے میں احتشام کے سرمئی سفید گھر کے سیاہ گیٹ کے باہر کوئی اور نہیں، بلکہ وہ کھڑا تھا جس کا تمہیں بھی بے صبری سے انتظار تھا۔

بھورے سنہری بال کانوں کے پاس سے بکھرے بکھرے اور گردن تک جاتے گھنگریالے ہو جاتے تھے۔ سبز گول گلے کی شرٹ کے نیچے بھوری جینز میں ملبوس وہ سکیورٹی گارڈ سے بحث کر رہا تھا۔

"کیا مطلب، میں اب اپنے ہی گھر نہیں آسکتا؟ چاچو مجھے ایسے ہی بے دخل نہیں کر سکتے۔اس جگہ پر میرا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا ان کا۔کھولو گیٹ، شاباش!"

حمزہ اورنگزیب نے منت سماجت اور تحکم کے ملے جلے لہجے میں کہا۔وہ کرخت شکل اور سیاہ یونیفارم والا گارڈ اپنی جگہ مجسمے کی طرح کھڑا رہا۔حمزہ نے پیشانی پر انگلیاں مسلیں۔

"میرا بلیزر ابھی بھی اندر پڑا ہے۔ وہی لینے دے دو، پیارے اشرف۔ تمہیں ہماری دس سالہ دشمنی کا واسطہ ہے۔" گہری سبز آنکھیں بڑی بڑی کر کے پلکیں جھپکائیں جیسے لڑکیوں کی طرح اس دیو کو بھی منا لے گا۔

اشرف ٹس سے مس نہ ہوا تو حمزہ زیرِ لب بڑبڑاتا دائیں بائیں چلنے لگا۔ سنہری مائل چہرہ ٹھنڈ سے سفید پڑ رہا تھا۔ سرخ پڑتے لب بھینچے ہوئے تھے۔

"یہ ٹھنڈ دیکھتے ہو؟" جھلا کر اپنے بازوؤں کی آستینیں اوپر چڑھائیں اور کھڑے ہوئے بال دکھائے۔ "جم گیا ہوں میں۔ کچھ رحم کھاؤ اور راستہ خالی کرو۔"

اس کی اردو صاف نہیں تھی۔ بیچ میں کسی اور زبان کا لہجہ بھی جھلکتا تھا۔ اور بے صبری میں وہ اور واضح سنائی دیتا تھا۔

اشرف نے اپنے کسرتی بازو سینے پہ لپیٹے اور دو قدم آگے لیے۔ حمزہ قد میں اچھا خاصا لمبا تھا لیکن اس کی جسامت اس 'راکشس' جیسی نہیں تھی۔ سمجھداری سے دو قدم

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

پیچھے لیے۔جب اشرف کی آواز گونجی تو وہ اس کے ظاہر کے برعکس کافی نرم اور ایک پڑھے لکھے انسان والی تھی۔

”حمزہ بیٹے، احتشام صاحب کا واضح حکم ہے: ”جب تک وہ بدمعاش میری swiss گھڑی صحیح سلامت نہیں لوٹا دیتا، اشرف، تم نے اس کو یہاں داخل ہونے نہیں دینا۔“اب بتائیں اشرف مظلوم کیا کر سکتا ہے؟“

حمزہ نے ناک سے گیلا سانس لیا۔ مظلوم تو وہ تھا۔ سر بار بار اثبات میں ہلاتے تین چار قدم اور پیچھے لیے۔ وہ قصر کے آگے کا سبزہ عبور کرتا گیا یہاں تک کہ اس کے سیاہ ڈیزائنر شوز سڑک پہ آ کر رک گئے۔

”میں سمجھ گیا، اشرف بابا! سب سمجھ گیا ہوں۔“ڈرامائی انداز میں بازو کھول کر خالی پڑوس کو دکھائے۔ ”یہ ہوتا ہے وفاداری کا صلہ۔ مجھے لگا تھا کہ میرے صرف خاندان والوں کا خون سفید ہوا ہے مگر یہاں تو جن دوسروں کو اپنا مانا تھا، وہ بھی دغا باز نکلے۔“پرانے وقتوں کے ہیروز کی اداکاری کرتے اس نے ایک مایوس نظر

www.novelsclubb.com

اشرف پر ڈالی۔اپنی آنکھوں سے تھوڑے گہرے سبز رنگ کی شرٹ جس کے اوپر تین بٹن تھے اور نیلی جینز میں وہ واقعی کوئی فلم ایکٹر ہی لگتا تھا۔

”آیا بڑا فرنچ شاہ رخ خان۔“اشرف اب مڑ کر واپس اپنے چیک پوسٹ پر جا رہا تھا۔

حمزہ نے برہمی سے مومن کو کال ملائی۔جب فون پر بولنے والی نا قابل برداشت لڑکی کا 'معزز صارف، آپ کا ملایا نمبر ابھی مصروف ہے' سنائی دیا تو اس نے بے بس سی سیٹی بجائی۔

”واہ رے، مالک! یہاں تو کوئی بھی میرا دوست نہیں۔“

کانٹیکٹس میں انگلی چلاتے سکرول کیا۔ایک شخص تھا جس سے وہ کبھی ماننے تو نہیں والا تھا لیکن تھوڑا بہت ڈرا کرتا تھا۔

عینک والا جن۔

حمزہ کو وہاں پہنچنا تو تھا ہی جدھر کا مومن نے پتہ ذہن نشین کرا رکھا تھا۔اب وہ اپنے بلیزر کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر، اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔

ایک بار واپس اس خوبصورت نرم گرم عمارت پر ایک افسردہ نظر ڈالی۔حمزہ نے مجبوراً اس شخص کے نام کے نیچے کال پریس کر دیا، جس سے تم ہر گز نہیں ملنا چاہتے۔

***

یہ ایک ہوم لائبریری تھی۔ایک کتابی کیڑے کے خواب جیسی، جہاں اس وقت ایک ایل شیپ صوفے پر آرام دہ انداز میں ٹانگیں اوپر رکھے وہ آدھا لیٹا ہوا تھا۔ کندھے کے پیچھے ایک کشن تھا۔قدرے لمبے بال ایک پونی ٹیل میں۔ہاتھ میں بھوری جلد کی ایک کتاب تھی۔ترچھی کی گئی آنکھوں پر سیاہ فریم کے چشمے۔

ٹامس ہیرس کی، داسائلنس آف دالیمبز۔

لائبریری چھوٹی سی تھی۔اندر تین بڑے بک شیلف، ایک مستطیل میز اور ارتضیٰ اسجد کی جنت، یعنی وہ سیاہ صوفہ تھا۔اونچی کھڑکیوں سے آتی سفید زردی مائل روشنی میں اس کی سفید ٹی شرٹ پر ایک سرخ فلینل جیکٹ اور نیلی پینٹس دکھائی دیتی تھیں۔آدھے دھڑ پر ایک کمبل تھا جو باقی کا نیچے پڑے نرم قالین پہ گرتا تھا۔

ہر شیلف میں موٹی موٹی ایسی کتابیں تھیں جنہیں وہ زندگی میں ایک دفعہ تو پڑھ چکا تھا اور اتنی لمبی عمر چاہتا تھا کہ دوبارہ پڑھ سکے۔لاہور کے بارے میں صرف دو باتیں اچھی تھیں۔اس گھر کی چھوٹی لائبریری اور اپنے بڑوں سے آزادی۔اس کے علاوہ اس کے پاس پشاور کے بجائے یہاں رہنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔اوہ، اس کے بار کے امتحانات بھی۔

بھوری جاذب آنکھیں انہماک سے کاغذ پہ لکھا وہ منظر اپنے اندر سمو رہی تھیں۔

جب ہینیبال لیکٹر اپنے اغواکار جاسوس کو سکون سے یہ بتا رہا ہوتا ہے کہ اس نے

لیکٹر کو اس لیے اغوا کیا ہے کیونکہ وہ دونوں ایک جیسے ہیں۔ایک طرف وہ بندھا ہوا شاطر سائیکو پیتھ ہینیبال اور دوسری جانب وہ ڈیٹیکٹیو جسے ہینیبال جیسے ماسٹر مائنڈ کے آگے ہتھیار ڈال دینے چاہیے تھے۔ارتضیٰ اس کی جگہ ہوتا تو ایک آدھ ٹپ بھی مانگتا۔۔۔

کچھ دیر سے رنگ کرتے فون کی آواز نے آخر کار اس کا انہماک توڑ دیا۔شدتِ ناگواری سے اس نے فون اٹھایا اور کال کرنے والے کا نام دیکھا۔حمزہ 'عجوبہ' اورنگزیب۔

اُف،اب اسے کیا ہے؟

"ارتضیٰ،میں حمزہ بات کر رہا ہوں۔اس وقت میری کار نیٹو جم رہی ہے۔۔۔"

"کلفی۔"ارتضیٰ نے اس کے خراب محاورے کی تصحیح کی۔

www.novelsclubb.com

''ابھی ہم آئس کریم کے برانڈز پر لڑ رہے ہیں؟'' حمزہ کی جلتی، سردی میں کانپتی آواز آئی۔ ''تم کوشش نہ ہی کرو، تمہارے پاس ویسے ہی الفاظ کا ذخیرہ کم ہے۔''

''اوکے۔'' پاگل لوگوں کو چپ کروانے کا سب سے آسان طریقہ؟ اوکے کہہ کر انہیں ان کے حال پہ چھوڑ دو۔

ارتضیٰ فون رکھنے لگا تھا جب حمزہ نے فوراً کہا۔

''میرے پاس اپنا بلیزر تک نہیں ہے۔''

''تو؟'' ارتضیٰ نے کتاب کے صفحے کا کونا دو انگلیوں کے درمیان پکڑ رکھا تھا۔

''تو یہ کہ میں دا گریٹ احتشام اور نگزیب کے گھر کے باہر سڑک پر رل رہا ہوں۔ آج 'ادھر' بھی جانا ہے، یاد ہے؟''

''اوبر کر لو۔''

''ہا، تم نے ایک کے بجائے تین لفظ کہے۔ ماننا پڑے گا، بڑے کوئی موڈ میں ہو۔''

ارتضیٰ کسی لمبی بحث میں پڑ کر اپنا چھٹی کا دن ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ہاں، منگل کو اس کی چھٹی تھی۔

”میں پہنچ رہا ہوں۔“ارتضیٰ نے آس پاس سے ایک کارڈ ڈھونڈا اور اسے کتاب میں ڈال کر صفحے پر نشانی لگاتے اٹھ گیا۔

”تھوڑا جلدی پہنچنا۔مجھے ایک جیکٹ کی بھی ضرورت ہے۔اپنی گرین والی لانا، یا بلیک۔اگر وہ پیلے رنگ کی لائے نا۔۔۔“

ارتضیٰ نے بیچ میں ہی کال کاٹ دی۔وقت کا ضیاع، الفاظ کا ضیاع اور توانائی کا ضیاع اسے بالکل نہیں پسند تھے۔

لائبریری سے خاموشی کے ساتھ چلتے وہ داخلی دروازے تک گیا۔اپنے بوٹوں کے پاس جھک کر انہیں پہننے لگا۔

وہ ان کے تسمے باندھ رہا تھا جب ماں کے پیروں کی چاپ، پھر ان کو بولتے سنا۔

www.novelsclubb.com

"ارتضیٰ بیٹا، کہاں جا رہے ہو؟"

وہ ایک پستہ قد نحیف خاتون تھیں۔ سادہ کپڑوں پر اپنا لمبا سویٹر اور بڑی چادر لیے اس کے سامنے کھڑی تھیں۔

ارتضیٰ کے تسمے باندھتے ہاتھ لحظے بھر کو تھمے۔ اسے ماں کو دھوکہ دینا نہیں پسند تھا۔

"ملائکہ نے بلایا ہے۔ کسی سے ملنا چاہتی ہے اور مجھے بھی ساتھ لے جانا چاہتی ہے۔"

"پھر سے اپنی لکھائی کے لیے کچھ معلومات چاہیے اسے؟" انہوں نے کمر پر ہاتھ رکھتے کہا۔

"جی۔" وہ جھکی نظریں نہیں اٹھا سکتا تھا۔

www.novelsclubb.com

"اچھا جاؤ۔اس کا خیال رکھا کرو۔اس گھر جانے کی کوئی تک ہی نہیں بنتی تھی، جہاں بہن بھی رہتی ہے تو کیسی۔"اس بات سے ارتضیٰ کو پورا اتفاق تھا۔"واپسی پر آتے ہوئے فون کرنا۔مجھے کچھ سامان بھی منگوانا ہے۔"

"اوکے! چلتا ہوں۔"

دیوار پر لگے ہک سے کار کی چابی اتاری اور جلدی سے دروازہ اپنے پیچھے بند کرتا باہر نکل آیا۔اس کی ماں ہرگز نہیں جاننا چاہتی تھیں کہ وہ حقیقت میں اس وقت کیا کرنے جا رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

***

وہ ایک تیرہ منزلہ پر شکوہ عمارت تھی۔جدیدیت کا حامل پر تعیش آرکیٹیکچر۔قیمتی شیشوں سے ڈھکی دیواریں جو فروزن کی ایلسا کے محل جیسا چمکتا تاثر دیتی تھیں، اپنے تمام تر سرمئی پن کے باوجود۔قلبِ شہر میں اہم ترین شاہراہ پر کئی بڑے اداروں

کے دفاتر کے احاطے میں۔ قرب وجوار میں موجود عمارات میں کے ڈی ایک الگ شان سے گردن اکڑائے منفرد سا لگتا تھا۔

ایمان جاوید اپنی مرسیڈیز سے نکلتے اس عمارت کا ایک خاموش ضرب تقسیم سے جائزہ لے رہی تھی۔ ملائکہ کے بلانے پر گلے میں لٹکے شیڈز آنکھوں پہ چڑھائے۔ نیلے سرخ آسمان سے سورج کی شعاؤں اور اس کی آنکھوں سے اندر تک کا سفر کرتی لوگوں کی نگاہوں کا راستہ رک گیا۔

وہ بیش قیمت پتھروں اور شیشوں سے سجی اس پر تمکنت عمارت سے مرعوب نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ سب آخر کو اسی کا تھا۔ داخلی شیشے کے دروازوں تک چند سیڑھیاں چڑھ کر پہنچی۔ کل سات، اس نے گنا۔

اندر باہر مسلح اور باوردی سیکیورٹی گارڈز کھڑے تھے۔ وہ ایمان اور ملائکہ کے ساتھ چلتے طٰہ کے گارڈز کی طرح قد کاٹھ اور جسامت میں بڑے اور طاقتور لگتے تھے۔ وہ اپنے چاق وچوبند ذاتی گارڈز کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

مسلسل چلتے ایلیویٹر کی مخصوص آواز، آفسوں میں بجتی گھنٹیاں اور کی بورڈز اور پرنٹرز کی آوازیں صرف ایک لفظ چلا چلا کر پکارتی تھیں۔

پیسہ۔بے شمار، ایک پورا انبار اور سب کا سب اس کا۔

کارپوریٹ کلچر کے نمائندوں کی طرح ڈریس کوڈ کے مطابق تیار افراد اپنے کاموں میں مصروف ریسپشن ڈیسک کے سامنے سے گزر رہے تھے۔کچھ بند کمروں میں چلے جاتے تو کچھ ایلیویٹر میں۔کل پندرہ دروازے اور تین ریسیپشنسٹ لڑکیاں، ایمان نے گنا۔

اوراب کچھ کرمانی ڈیویلپرز، ایمان جاوید کی جانِ اصل کے بارے میں تم بھی جان لو۔

کے ڈی میں انسان، انسان نہیں تھے۔یہاں صرف روبوٹس کو بھرتی کیا جاتا تھا۔ ایسے روبوٹس جو، ڈھیروں احکامات کو ایک پریشر سے بھرے ماحول میں بغیر چوں چراں یا اپنی کسی رائے کے عمل دخل کے، 'کام' کرسکتے تھے۔

ماحول نہیں پسند؟خود کو فائرڈ سمجھو۔

اظہارِ رائے کا بہت شوق ہے؟ تمہیں فائر کر دیا جاتا ہے۔

تم نے کوئی غلطی کر دی ہے؟تم فائرڈ ہو۔

اپنے ہیڈ کو کوئی آئیڈیا دینا چاہتے ہو جو ان کی تجویز سے بہتر ہے؟اب وہ تمہارا نہیں رہا اور ٹھیک سمجھے،یو آر فائرڈ۔

یہ سب تمہیں ناانصافی لگتی ہے اور تم سی ای او سے بات کر کے اس مسئلے کا حل نکالنا چاہتے ہو؟ یہاں تمہارے لیے خوشخبری ہے۔بالکل نہیں۔تم ہر صورت میں فائرڈ ہو۔

www.novelsclubb.com

اس سب کے باوجود یہاں لوگ کام کر سکتے تھے،اور وہ بھی ایک بڑی تعداد میں،یہ ایک معجزہ ہی لگتا تھا۔

دوسرے فلور پر چھوٹے کٹے بالوں والا لڑکا ہاتھ میں چند فائلز تھامے مرمریں راہداری میں لمبے لمبے ڈگ بھر رہا تھا۔ ایمان اور ملائکہ اور ان کے گرد جمگھٹے کی خبر ہونے پر اس کی رفتار تیز ہو گئی۔ ایلیویٹر کی جانب بڑھا تو اندر کھڑی لڑکی کے آگے رک گیا۔ ایمان جاوید جیسی دکھنے والی لڑکی، جس کی چیل جیسی تیز نگاہ اس پر پڑی تھی۔ اسفندیار سرخ پڑتے کانوں اور شرمندہ چہرے کے ساتھ فوراً لمبے سٹئیر کیس کی جانب لپکا۔

وہ ایک وقت میں تین زینے پھلانگتا تین فلورز اوپر گیا تھا۔ ایگزیکٹوز کے آفس فلور تک پہنچتے اس کی سانسیں پھول رہی تھیں۔ بورڈ افسران اپنے کمروں میں تھے اور بورڈ ممبران ان کے ساتھ ساتھ۔

دائیں طرف کی دیوار سیاہ تھی اور بائیں جانب کی سفید۔ ہر فلور کی دیواروں پر رنگوں کا امتزاج کچھ ایسا ہی تھا۔ آخری کیبن تک پہنچ کر اس نے سیاہ دیوار پر لگی سنہری "صالحہ غفور، آئی ٹی" کی تختی میں اپنی چھوٹی آنکھوں کا عکس دیکھا۔ اسفند نے اپنی

www.novelsclubb.com

نیلی شرٹ کا گریبان درست کرتے خود پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالی۔ پھر کھلا دروازہ کھٹکٹایا۔

وہ میرون رنگ کا حجاب لیے اپنی ہیڈ کے سفید ڈیسک کی دوسری جانب دو میں سے ایک کرسی پر بیٹھی تھی۔ آہستگی سے لیپ ٹاپ کے کی پیڈ پر انگلیاں دباتے ہوئے۔ کہنی میز پر اور مٹھی پہ گال کو تکیہ کیے وہ سکرین کو دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔ دستک پر سر اٹھایا۔

"تو آپ کو یہاں آنا نصیب ہو ہی گیا۔" لاریب شرجیل نے دانتوں سے سرد سانس خارج کی اور کھڑی ہو گئی۔ گھٹنوں تک آتا سرمئی سویٹر اس کے ساتھ جھولا۔

"آئیں، اسفند صاحب۔ تشریف رکھیں۔ یہ صالحہ میڈم کے دستاویزات ہیں؟" گھورکران کاغذات کی بابت پوچھا جو اسفند نے ابھی اس کی میز پر دھرے تھے۔

"جی، وہی ہیں۔ میں منیرہ میڈم کی پریزنٹیشن تیار کر رہا تھا اس لیے مجھے دیر ہو گئی۔" اسفند نے شرمندگی سے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ "آئی ٹی والے بھی تو روز کوئی نہ کوئی نیا کام پکڑا دیتے ہیں۔۔۔"

لاریب نے اس کے بیچارگی سے ڈھلکے کندھے دیکھے اور اپنے لیپ ٹاپ پر کھلی پریزینٹیشن کو، جسے تیار وہ کر رہی تھی مگر بہانہ اسفند بنا رہا تھا۔

"ہاں، میں سمجھ سکتی ہوں۔ فائنانس والے جب آئی ٹی کی پریزینٹیشن تیار کرنے لگ جاتے ہیں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔" اسفند کا چہرہ ہیڈ لائٹس کے آگے آئے ہرن جیسا تھا۔ "آپ کی کوئی غلطی نہیں۔ میں بس صالحہ میڈم کو بتادوں گی کہ جو کام انہیں مجھے دینا چاہیے تھا، وہ آپ کو دے کر وہ ہمیشہ کی طرح پچھتا رہی ہیں۔"

"نہیں اب خیر ایسی بھی بات نہیں ہے۔ پرنٹر خراب تھا۔۔۔"

"یہاں دس پرنٹر تو صرف اسی فلور پر مل جائیں گے۔"

"میں ساتویں فلور پر تھا۔"

"وہاں پر بھی تیرہ پرنٹرز ہیں۔"

"سافٹوئیر فرم نہ ہو، پرنٹر کی دکان ضرور ہے۔" اسفند جل کر بولا۔

لاریب نے سینے پر بازو لپیٹتے ناک اٹھائی تو وہ خجل ہوتا چھوٹی گول میز سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

"دیکھیں، لاریب صاحبہ، آئی ایم رئیلی سوری۔ غلطی میری ہے۔ میں کام کے معاملے میں کبھی کبھی۔۔۔"

www.novelsclubb.com

"دس میں سے گیارہ مرتبہ۔۔۔"

"سست ہو جاتا ہوں۔" اسفند نے نگاہیں اٹھائے بنا کہا۔ "دوبارہ شکایت کا موقع۔۔۔"

"لازمی ملے گا۔"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

یہ کہنے والی لاریب نہیں تھی۔اس آفس میں ابھی ابھی ایک اور نفس داخل ہوا تھا۔

نیرہ قبری کی چیل جیسی نظریں اسفند پر جمی تھیں۔وہ ہمیشہ کی طرح خوبصورت شرٹ اور لمبی سکرٹ میں ملبوس تھی۔پیشہ ورانہ اور بارعب۔مضبوط قدم لیتے اسفند کے سامنے آرکی جس سے وہ قدرے لمبی تھی۔

آہ،جو لاریب اتنی لمبی ہوتی۔

"تمہاری شکایت میں نے تمہاری ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ سے کردی ہے۔کوئی شخص اس آفس میں مجھے اتنا کوفت زدہ نہیں کرتا جتنا تم اور تمہاری غیر پیشہ ورانہ حرکتیں۔"نیرہ نے اسے مطلع کیا۔

اسفند کے کان دوبارہ سرخ پڑ رہے تھے۔وہ ایلیویٹر میں اسی کی چیل نظروں سے خوف زدہ ہوتے سٹیئر کیس سے یہاں آیا تھا۔اس بات سے لاعلم کہ اس کی منزل بھی یہی فلور تھی۔مگر وہ جتنا بھی بچنے کی کوشش کرتا،نیرہ وسیم کا ہدف کبھی بچ سکتا تھا؟

''ایسا دوبارہ نہیں ہوگا، میم۔'' وہ ہاتھ باندھتا وہاں سے نکلنے لگا۔

''ڈونٹ گیٹ آؤٹ۔''

(یہاں سے مت نکلنا۔)

نیرہ کی آواز پر وہ ٹھٹھکا۔

لاریب نے ناگواری سے نیرہ کی پشت کو گھورا جو اسے ہمیشہ کی طرح نظر انداز کرتے خود سے کمتر محسوس کروانے کی کوشش میں تھی۔اور شاید کامیاب بھی۔

''میں پوچھ سکتی ہوں، باہر کیا ہو رہا ہے؟'' لاریب نے اپنا لہجہ متناسب رکھتے ہوئے کہا۔

اب اسفند نے غور کیا تو باہر کافی ہلچل مچی ہوئی تھی۔سارے ایمپلائز اس فلور پر اکٹھے ہو رہے تھے اور سب ڈائریکٹرز جو کسی وجہ سے آج عمارت میں موجود تھے، اپنے اپنے آفس سے نکل چکے تھے۔

www.novelsclubb.com

''کوئی بورڈ میٹنگ ہے؟ مگر ان میں اتنے لوگ تو نہیں ہوتے۔'' اسفند نے کہا۔

''سب سے 'اہم' بورڈ میٹنگ ہے۔'' نیرہ نے اہم پر زور دیتے ایک ادا سے کہا۔

''کیوں، کیا ہوا ہے؟ ملائکہ میم کب سے میٹنگز رکھنے لگ گئیں؟ وہ تو ڈائریکٹرز سے رابطہ تک نہیں رکھتیں۔۔۔'' لاریب کے الفاظ ہوا میں دم توڑ گئے۔ وہ اپنی کرسی دھکیلتے آہستہ قدم لیتی اسفند اور نیرہ کے پیچھے میڈم صالحہ کے آفس سے باہر نکل آئی۔

آفس کی کھلی درز سے وہ اتنا شور تو سن چکی تھی کہ اندازہ ہو جائے کہ باہر ہجوم اکٹھا ہو رہا ہے لیکن اسے ہر کسی کے باہر ہونے کی توقع نہیں تھی۔ توفیق صاحب جو چھٹی کے دن بھی اپنے کیبن سے باہر نہیں نکلتے تھے، کچھ فاصلے پر کھڑے تھے۔ اسفند اور نیرہ کو پیچھے چھوڑتی وہ متجسس، اپنے کولیگز سے معذرت کرتی آگے بڑھتی گئی۔

ایسا بھی کیا ہوا ہو سکتا تھا جو۔۔۔

www.novelsclubb.com

ایمان جاوید کرمانی، اس فرم اور اس کی پاکستان میں مکڑی کے جالوں کی طرح پھیلی تمام برانچز کی حقیقی مالک، آنکھوں پر سن گلاسز لگائے اپنی کو پارٹنر اور بہن کے ساتھ چل رہی تھی۔ ساتھ سیاہ وردی میں ملبوس گارڈز بھی تھے جنہوں نے سب کا ایمان تک پہنچنے کا راستہ روک رکھا تھا۔

وہ بھوری لمبی سکرٹ اور سفید سویٹر میں ملبوس تھی جس میں سے اس کا سیاہ بلاؤز جھلکتا تھا۔ بیج مفلر گردن کے گرد اوڑھے سیاہ بال دائیں جانب کو موڑ کر کھلے چھوڑ رکھے تھے۔

وہ انسٹا گرام کے اس ہیٹ پیج والی زخمی لڑکی جیسی نہیں لگتی تھی۔ اس پیج کے بارے میں سب جانتے تھے اور اسے چھپ چھپ کر ورک آورز (کام کے گھنٹوں) میں بھی دیکھ کر آپس میں تبادلہ خیال کرتے تھے۔

www.novelsclubb.com

ایمان جاوید ایک ماڈل جیسی لگتی تھی جیسا کہ اس کی ہر عام طور پر کھینچی جانے والی تصویر اور ویڈیو ہوتی تھی۔ پیروں میں پہنی سیاہ لوبوٹان ہیلز کی ٹک ٹک آفس میں ایک دم سے چھا چکی خاموشی میں بے حد اونچی تھی۔

اس کے ساتھ چلتی ملائکہ شہیر جسے کوئی بھی شخص ملائکہ جاوید ماننے کے لیے تیار نہیں تھا، معمول کا لمبا کوٹ پہنے چل رہی تھی۔ ہائی ویسٹ کھلی جینز اور اپنی آنکھوں جیسی شہد رنگ شرٹ اس کے چلنے کے ساتھ جھلکتی تھیں۔ اس کے انداز میں غرور تھا نہ وہ تکلف جو اس فرم پر راج کرتی 'اصلی' سی ای او کا تھا۔ وہ ہر ایک سے مسکرا کر سلام کرتی۔ وہ ایمان کو جیسے ٹور (سیر) کروا رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

خبروں کے مطابق ایمان جاوید اپنی یادداشت کھو چکی تھی مگر جس پر اعتماد انداز میں وہ چل رہی تھی، یہ بتانا مشکل تھا۔ اس سے پہلے کہ ایمان آگے جا پاتی، لاریب نے سینے پر بازو دوبارہ باندھتے خاموش راہداری میں صور پھونکا۔

"کیا یہ سچ ہے کہ آپ کی یادداشت جا چکی ہے؟"

ہیلز کی ٹک ٹک رک گئی۔ ایمان نے ان کی نوک پر گھومتے گلاسز اتار کر ان سب پر ایک نگاہ ڈالی۔ متلاشی نگاہیں لاریب پر آ ٹھہریں جو بے خوفی سے ان ترش سرمئی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔ جھوٹ کہاں تھا؟

"اور آپ کون ہیں؟" گلاسز فولڈ کر کے اپنے سیکریٹری کے ہاتھ میں دیے جس نے انہیں اپنا فرائضہ سمجھتے تھام لیا۔ ایک قدم لاریب کی جانب لیا۔ سمندر کے درمیان راستہ کھلتا چلا گیا جو سیدھا اس پر ساری سپاٹ لائٹ ڈالتا تھا۔

"میں لاریب شرجیل ہوں۔ کے ڈی کی ایک عام میڈیا اسسٹنٹ۔ آپ کے لیے کوئی بھی نہیں۔ میرے سوال کا جواب دیں۔ کیا آپ کو یہ تک یاد نہیں کہ آپ کے ڈی کی باس ہیں؟ پچھلے ایک مہینے سے ہم بغیر کسی باس کے کام کر رہے ہیں۔"

ملائکہ نے اسے بے یقینی سے دیکھا پھر اپنا لہجہ ہموار رکھتے جواب دیا۔

"آپ کے پاس میں تھی، مس لاریب۔ مجھے جتانے کی ضرورت نہیں پڑنی چاہیے کہ میں یہاں ایک کو پارٹنر کی حیثیت سے آپ کی باس ہوں۔" ملائکہ کا لہجہ ملامت کرتا ہوا تھا۔

"آپ مینیجمینٹ پارٹنر ہیں۔ میں یہاں میڈیا میں کام کرتی ہوں۔ آپ میری باس ہیں، مس ملائکہ، مگر مجھے کام آپ سے نہیں تھا۔" اپنا لہجہ دھیما کرتے کہا۔

"میرا سوال ابھی بھی آپ سے ہے، مس جاوید۔ آپ کی یادداشت کیا واقعی چلی گئی ہے یا یہ کام سے بچنے کا ایک سوانگ تھا؟"

ایمان نے اپنے سب ایمپلائز، ڈائریکٹرز، ڈیپارٹمنٹ ہیڈز اور دیگر انتظامیہ پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ پھر واپس اس لڑکی کو دیکھا جس کی بھوری جلد اور اٹھی ہوئی ناک اسے باقی سب میں منفرد بناتے تھے۔

"جی۔ یہ بالکل سچ ہے کہ میری یادداشت جا چکی ہے۔" ایمان ایک ایک کی آنکھوں میں دیکھتے سب سے مخاطب ہوئی۔ سوئی گرتی تو بمب پھٹنے جیسا شور ہوتا،

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

ایسا سکوت تھا ہر طرف۔ ”یہ بھی سچ ہے کہ مجھ سے منسلک ایک کیس چل رہا ہے اس وقت۔ ایک بے معنی کیس۔“ ایمان نے نزاکت سے ہتھیلی کو جنبش دی۔

”مگر یہ ایک کیس ہے جس کے بارے میں میں آپ سے جھوٹ نہیں بولنا چاہتی۔ میری غیر موجودگی میں ملائکہ نے اس جگہ کی دیکھ بھال کی ہے۔ ویسے، لاریب، کو پارٹنر ہونے کے ناطے ملائکہ جاوید بھی آپ کی اتنی ہی باس ہیں، جتنا کہ میں۔“ لہجہ معاف کرتا ہوا نہیں تھا۔ ”آپ مجھے ایک دم سے یہاں دیکھ کر شاک میں آگئی ہوں گی، اس لیے میں اس جسارت کو معاف کرتی ہوں۔ مگر دوبارہ نہیں۔“

”میرا کام صرف وہ سوال کرنا تھا جو سب کے ذہنوں میں ہے مگر کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ پوچھ سکے۔ سوری، مس ملائکہ۔“ لاریب نے مہذب انداز میں وضاحت کی اور خلوص سے کہا تھا۔ ملائکہ پہلے ہی نظر انداز کر کے آگے بڑھ چکی تھی۔

ایمان البتہ ابھی فارغ نہیں ہوئی تھی۔

www.novelsclubb.com

"آپ کی یہ بہادری قابلِ دید ہے۔" زور دینے کے لیے توقف کیا۔ "قابلِ برداشت نہیں۔ دوبارہ میں کسی کے بھی منہ سے ایسی بات نہیں سننا چاہتی جو آپ کے یہاں کام کرنے کے دنوں میں کمی کا باعث بنے۔"

ملائکہ کی مہربان مسکراہٹ لوٹ چکی تھی حالانکہ وہ اب تھوڑی غیر آرام دہ لگتی تھی۔ ہمیشہ سے جھگڑا نہ کرنے کی خواہشمند جس کے اوپر دوسرے جھگڑا شروع کر دیتے تھے۔

"آپ سب اپنے کام پر واپس جائیں۔ وزٹ کے لیے ہم کسی اور دن کا انتخاب کریں گے۔ آج ایمان نے صرف اس جگہ کو ایک بار اوپر نیچے سے دیکھنا ہے۔" ملائکہ نے غیر معمولی سرد انداز میں ڈریس سوٹس میں ملبوس ڈائریکٹرز کی جانب دیکھا جن سے سب ایمپلائزڈرتے تھے۔ تیرہ افراد۔ تیرہ خطرناک افراد۔ "آپ سب بھی کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں؟ انوئٹ بھیجوں؟ بورڈ آفس پہنچیے۔ وہاں سکون سے گفتگو ہو گی۔"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

ملائکہ جاوید کا پہلی دفعہ لہجہ سخت کرنے کا تعجب تھا یا کیا، لیکن سب لوگ اپنے اپنے متعین کیبنز اور آفسز کی جانب کلپ بورڈز، کافی، آئی پیڈز، فولڈرز اور صفحات لیے عجلت میں نکل گئے۔ وہ تیرہ افراد ذرا آہستہ تھے مگر شاید انہیں اپنے وقت کی قدر تھی اس لیے وہ بھی راہداری خالی کرنے پر راضی ہو گئے۔

لاریب باادب سی سر اٹھائے کھڑی رہی تھی۔تب بھی جب دونوں بہنیں وہاں سے چلی گئی تھیں۔تب بھی جب اس سیاہ سفید لابی میں سوائے اس کے شاید ہی کوئی بچا تھا۔

"ہونہہ، یادداشت چلی گئی ہے اسی لیے اتنے دھڑلے سے رعب جما رہی ہے۔اگر جو اسے کچھ بھی یاد ہو۔" نیرہ قبری وسیم نے اپنے کوٹ کے گریبان سے نادیدہ گرد جھٹکی۔

"آپ ان کے سامنے یہی باتیں کہہ سکتی ہیں؟" اسفند سفید دیوار پر لگے بڑے آئینے کے ساتھ کھڑا تھا۔ایک پیر دیوار پر لگا رکھا تھا۔

"آنیسٹلی اسفند، پہلی دفعہ میرے منہ کی بات کہی ہے۔" ایمان کے سیکرٹری عون شمشیر نے اپنی بے شکن سفید شرٹ کی اوپری جیب سے اپنا پین نکالا۔ خاکی پینٹس کے ساتھ کلپ بورڈ لگا کر ان دونوں پر مایوس نظر ڈالی۔ وہ ایک معمولی سیکریٹری تھا، اس کا بورڈ آفس میں کوئی کام نہیں تھا۔

"نیرہ صاحبہ، تاشفین سر نے آپ کو بلایا ہے۔ آٹھویں فلور پر۔ اور اسفند بھائی، تم نے غلام صاحب کے پاس نہیں پہنچنا تھا؟" عون نے سر نفی میں ہلایا جیسے مایوس ہو۔ "میں نہ ہوں تو یہاں ہر کوئی اپنے اپنے کام دھرے کے دھرے چھوڑ دے۔"

www.novelsclubb.com

لاریب نے سنجیدگی سے نیرہ پر اپنی آنکھیں جما رکھی تھیں۔ ٹھوڑی ٹیڑھی تھی۔ اس کے متکبر چہرے کو جانچنے میں مصروف۔

"کام تو یہ لوگ واقعی چھوڑ دیتے ہیں۔ بس تنقید کرنی آتی ہے۔ پیٹھ پیچھے۔"

لاریب باز نہیں آئی تھی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

''میں تم جیسی بہادر سپاہی سے، نہ اس میڈوسا سے ڈرتی ہوں۔ چاہو تو اس سے یہ کہہ سکتی ہو۔'' نیرہ لمبے خوبصورت بال جھٹکتی پیچ کر مڑ گئی، جیسے اس کے سٹائلش فلیٹس کی تیزی سے اس کی بوکھلاہٹ نہیں ماپی جا سکتی تھی۔

عون نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر دوسرے ہاتھ سے دستک دی تو اسفند بھی چلتا بنا۔ راہداری میں جب وہ دونوں رہ گئے تو لاریب نے اس کی جانب رخ کیا۔

عون نے اس کے منہ سے کوئی اور سچ سننے کے خوف سے ایک قدم پیچھے لیا۔

لاریب نے اس کے پیروں کا باہر کی جانب رخ بغور پرکھتے، بہت دیر سے بندھے بازو ڈھیلے چھوڑ دیے۔

''تھینکس۔ میں کام کے وقت دوسروں کی مداخلت پسند نہیں کرتی۔''

عون نے اس پر زیادہ دیر نگاہ جھکائے بغیر سر اثبات میں ہلایا اور مدھم سا مسکراتا بورڈ آفس کی جانب بڑھ گیا۔

www.novelsclubb.com

***

وہ کراہتے ہوئے اٹھا تھا۔ سر کی پشت پر نمی محسوس ہوتی تھی اور نظریں دھندلائی ہوئی لگتی تھیں۔ آنکھیں جھپکا کر سامنے دیکھا۔

اپنا درد اور ٹیسوں میں جلتا جسم پیچھے ایک خالی ڈبے کے ساتھ لگایا تو اس کی گنگ بجنے والی آواز سارے میں سنائی دی۔ اپنے آس پاس بوریاں محسوس کیں پھر انہیں گرم جان کر دور ہٹا۔ وہ انسان تھے۔ جب آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئیں، تو ارد گرد کا نظارہ کرتے اس کو متلی آنے لگی۔ تو یہ ایک برا خواب نہیں تھا۔ وہ واقعی کئی دن سے اس جگہ بند تھا۔

یہ ایک بدبودار اندھیرے میں نہایا کمرہ تھا۔ روشنی ایک چوکور سوراخ سے اندر آتی تھی جس کے بیچ سے جیسے کھڑکی کا شیشہ توڑا گیا ہو مگر چند ٹکڑے بیچ میں ابھی بھی

پھنسے ہوئے تھے۔ وہاں سے نیچے سیڑھیاں جاتی تھیں جن پر روشنی کی تکون صورت سفید لکیر سی بنتی تھی جو نیچے آتے آتے غائب ہو جاتی۔

وہ یہاں کتنے دنوں سے بند تھا، وہ نہیں جانتا تھا۔ دنوں کی گنتی، وقت کا پیمانہ، سارے نظام اتھل پتھل ہو گئے تھے یہاں۔ اگر کچھ تھا تو وہ مختلف اوقات پر پانی ملنا اور کبھی کبھار کھانا ملنا تھا۔ اور اس کے ساتھ بندھے دو اجنبی لوگ۔

اس کے اغواکار اس کے سامنے تھے۔

ایک کسرتی جسامت والا شخص اس کی جانب بڑھا تھا جس کے ہاتھوں پر کپڑا لپٹا ہوا تھا۔ اس سے کچھ فاصلے پر ایک اسی کے قد کاٹھ کا دوسرا آدمی تھا جس کے بال تھوڑے لمبے اور ایک پونی میں کسے ہوئے تھے۔ اسے دیکھ کر تو فواد ڈبے کے ساتھ اور زور سے چپکا۔ یہی تو وہ آدمی تھا جو سرگوشیوں میں اس سے وہ الفاظ کہا کرتا تھا جو اسے اپنی زندگی کیا، آخرت کے لیے دہلا دیتے تھے۔

کہیں پیچھے ایک فلیش لائٹ تھی جس کی مدھم روشنی سے فواد اپنے دونوں اغوا کاروں کے ڈھکے ہوئے چہرے دیکھ سکتا تھا۔

ہاتھ پر پٹی اور سیاہ ہونے کا تاثر دیتی سبز آنکھوں والا کوئی امیر زادہ لگتا تھا۔اسے مار دھاڑ کی بہت عادت تھی۔جب فواد نے پہلی بار اس کا چہرہ دیکھا تھا تو اسے لگا تھا وہ اسے منا کر یہاں سے نکل سکتا ہے۔یا کم از کم بیوقوف بنانے کی کوشش کر کے کوئی چارا ڈھونڈ سکتا ہے۔مگر بری طرح غلط ثابت ہونے میں بھی چند منٹ، تیرہ مکے اور سات لاتیں لگی تھیں۔وہ اس کے مہنگے کپڑے دیکھ سکتا تھا جو فواد کی سال بھر کی سپلائی کی قیمت ادا کر سکتے تھے۔اور وہ چمکتے سفید جوتے؟اس کے بچے بھی Doc Martens کو نہ پہچانتے مگر اس کی قیمت پر عیش کرتے۔

"اچھے لگ رہے ہیں؟کیوں نہ ان کے میٹیریل کو تم تھوڑا محسوس کر لو۔"اس نے اپنے ڈاک مارٹنز پر اس کی نظریں جانچتے کہا اور ساتھ ہی فواد کو پیٹ میں زوردار لات ماری۔

وہ کھانستا ہوا اوندھا گر گیا۔ اتنے سرد فرش پر بھی اس کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ کپڑے بدن سے چپک رہے تھے۔

”تم لوگ مجھے کب تک یہاں رکھو گے؟ فواد غریب ہے۔ فواد کے پاس دینے کو کچھ نہیں ہے۔“

”ہوں، یہ ہم تمہارے اس تھیلے کو دیکھ کر سمجھ گئے ہیں۔“ جس نے پونی کی ہوئی تھی، وہ سیاہ فریم کی عینک درست کرتا ان دونوں کی جانب چلتا ہوا آیا۔ ہاتھ میں ایک شفاف تھیلا تھا جسے اس نے لہرایا۔ مدھم بتی میں سفید گولیاں چمکتی ہوئی دکھائی دیں۔ فواد کو اچھو لگ گیا۔

”تم پولیس والے ہو تو میری بات غور سے سنو۔ یہ میرا نہیں ہے۔ فواد ایسے غیر قانونی کام نہیں کرتا، ہاں۔“

www.novelsclubb.com

"بالکل نہیں کرتا۔یہ تو مسجد کے سپیکر میں 'قانون کی پاسداری کرو' قسم کے اعلانات کرتے پھرتا ہے۔" وہ امیر زادہ اس کے قریب بڑھا تو اس کے آنے سے پہلے ہی فواد نے اپنے گرد بازوؤں کی ڈھال بنالی۔

وہ اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھتے مسکرایا۔سبز آنکھیں اندھیرے میں چمک رہی تھیں، سنہری بال بکھرے ہوئے۔فواد نے کبھی اتنی خوفناک چیز نہیں دیکھی تھی۔

"یار، کیا بور ابنِ بور کی طرح وہاں پیچھے کھڑے ہو۔ایک ہاتھ تم بھی لگالو۔" اس نے مشورہ دیتے اپنے ہاتھ پر لمبی پٹی لپیٹنی شروع کر دی۔

جس تیسرے شخص سے وہ مخاطب تھا، اس کا آدھا دھڑ سایے میں تھا۔ایک ادا سے کھڑا مرد جس کے مضبوط ہاتھ ایک میز پر جمے ہوئے تھے۔ان کے درمیان کوئی چیز پڑی تھی مگر لوہے کی چمک کے علاوہ فواد دیکھ نہیں سکتا تھا۔روشنی کی کمی کے باعث

پیشانی پہ گرتے بالوں کے سوا چہرے کا کوئی نقش واضح نہیں تھا۔ بس ایک سیاہ جیکٹ اور سیاہ ہی سلیکس۔

"میرے ہاتھ خراب ہو جائیں گے۔" ایک سست، بے پرواہ مردانہ آواز۔

اسی وقت فواد کے منہ پر ایک زوردار مکا لگا تھا۔ کمرے میں اس کی دردناک چیخ گونجی۔ دانتوں میں ایک تو اپنی جگہ سے لازمی ہل گیا تھا۔ جبڑے کا درد بے تحاشا تھا۔

"کیا کر رہا ہے، تو!" وہ ہکلایا۔ آواز خون کے رسنے کے بیچ گڈمڈ تھی۔

"پریکٹس۔" وہ اسے ایک کے بعد ایک مارتا گیا۔

فواد چلا رہا تھا، اس کی رک جانے کے لیے منتیں کر رہا تھا مگر وہ نہیں رکا۔ آخر وہ اپنے گھر کے قریب بازار میں ان تینوں سے کب ٹکرایا تھا؟

پچھلے کئی دنوں سے وہ اس بدبودار، بوسیدہ کمرے میں پھنسا ہوا تھا جو عموماً ایک بیسمنٹ تھا۔ یہاں پرانا سامان تھا اور دو اور افراد جنہیں وہ اتنے دن پٹتے دیکھتا رہا تھا۔ آج اس کی باری تھی۔ شاید وہ کوشش کر کے یہاں سے نکل پاتا مگر یہ لوگ اسے ہمیشہ رسیوں میں باندھ کر یہاں چھوڑ جاتے تھے۔ اور وہ عینک والا شخص اس کے منہ پر کوئی رومال رکھ کر اسے کچھ سونگھاتا تھا جس کے بعد فواد کے لیے دن اور رات کا فرق کرنا دوبھر ہو جاتا۔

جب مارنے والا رکا تو سیاہ فریمز والا مٹھیاں بھینچے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ فواد کی آنکھوں سے اب پانی بہنے لگا تھا۔ اسے اسی چیز کا خوف تھا۔ یہ بے حس آدمی اب اسے مار دینے والا تھا۔

''ہمیں وہ بتا دو گے جو ہم جاننا چاہتے ہیں تو ہم تمہیں جلد چھوڑ دیں گے۔ نہیں تو تمہاری ماں ایک ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کی بوری کو سہہ لے گی، ہوں؟ سوچ لو۔'' سرد نپے تلے الفاظ۔ سہا دینے کے مقصد سے کہے گئے اور کامیاب۔

"میں سچ میں نہیں جانتا جیری کون ہے۔ میں نے تو آج تک اس کی شکل تک نہیں دیکھی۔ ان تینوں سے تو میں کبھی ملا تک نہیں۔ یہ مجھے پھنسا رہے ہیں۔"

اس کی مٹھی فواد کے گال کو چھونے والی تھی جب وہ ایک دم بول اٹھا۔

"بتاتا ہوں، بتاتا ہوں۔" اس نے اتنے دن نیم بے ہوشی میں گزارے تھے، دو اور جوان مردوں کو لاوارثوں کی طرح ٹھوکریں کھاتا دیکھتے ہوئے۔ اس بات سے بے خبر کہ اسے آخر میں زندہ چھوڑا جائے گا بھی یا نہیں۔ وہ مزید یہ سب نہیں سہہ سکتا تھا۔

"کہو۔ بغیر کسی جھوٹ کے۔ ایک ایک لفظ۔"

وہ بولنے لگا۔

"وہ فواد سے ہمیشہ ایک مختلف جگہ ملنے آتا ہے۔ کبھی کبھی کئی مہینے بعد اور کبھی ہر دو دن بعد۔ میں نے کبھی اس کا چہرہ نہیں دیکھا۔ وہ رومال پہنتا ہے اور سر پر بھی کیپ

ہوتی ہے۔اس کی آواز عجیب سی ہے۔وہ رک رک کر بولتا ہے جیسے دمے کا مریض ہو۔"

سامنے کھڑے دونوں مردوں کی نظریں اپنے پیچھے نیم اندھیرے میں کھڑے شخص پہ پڑیں۔گھڑی کی سوئی کے چلنے کی طرح،وہ اسی وقت کھانسا تھا۔لوہے کے لکڑی سے اٹھائے جانے کی آواز گونجی اور وہ شخص ہاتھ میں ایک ریوالور لیے ان تینوں کے قریب آیا۔

"دمے کا مریض،ہوں؟"خاموش،سرد لہجہ۔ان میں سے یہ تیسرا شخص تھا جس کا چہرہ فوادا اتنے دنوں میں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔سپاٹ تاثرات،سیاہ آنکھیں،گندمی رنگت اور ترش نقوش۔

"وہ۔۔۔وہ۔۔۔"

"یہ مجھے بور کر رہا ہے۔"پٹی والے مرد نے اپنی مٹھیاں اٹھائیں۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

پونی کیے شخص نے محض ایک ہاتھ سے رکنے کا شارہ کیا۔

تیسرے شخص نے ریوالور کی نالی پر ایک لمبی انگلی پھیری۔ "وہ، کیا؟"

"وہ ہمیشہ کسی باس کا ذکر کرتا ہے۔۔۔"

"اُف ہے یار، میں نے ایک فلم میں ایکٹنگ کے لیے کہیں دستخط نہیں کیے۔" وہ مار پٹائی کا شوقین، اس کی جانب مسکراتے ہوئے جارحانہ انداز میں بڑھا تھا لیکن ریوالور والے نے اس کی گردن پہ اسے رکھ کر روک لیا۔

"یہ ابھی کچھ اور وقت یہیں بند رہے گا۔ جب تک یہ مجھے ایک ایک تفصیل دینے کے لیے تیار نہیں ہو جاتا، تب تک یہ دن کی روشنی نہیں دیکھ سکتا۔ باقی دونوں کے ساتھ بھی یہی ہو گا۔"

جس نے تھیلا پکڑ رکھا تھا، اس نے وہ فواد کی گود میں گرا دیا۔ دوسرے نے پٹیاں اتار کر اس کے منہ پر دے ماریں۔

باقی دو سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئے۔ وہی تھیلے والا اپنی عینک درست کرتے ایک کپڑا لایا جس سے ایک عجیب مہک اٹھتی تھی۔ فواد کا سانس بند کرنے کے لیے۔

جب وہ ایک عینک والے شیطان سے جھگڑتے فواد کو وہیں چھوڑ کر اوپر چڑھنے لگے تو آہستہ آہستہ اس کی آوازیں دم توڑ گئیں۔

"وہ اسے مار تو نہیں دے گا؟" حمزہ نے سوال کیا۔ ہاتھ اوپر لے جا کر باندھتے، بے پرواہی سے۔

"مر بھی جائے تو اس سے کیا ہو گا۔ اپنے بیوی بچوں پہ بوجھ ہے وہ۔" مومن نے جیب میں ریوالور ڈالتے کہا۔

ان دونوں کے پیچھے سے ارتضیٰ کی خاموش آواز ابھری تو حمزہ پوری طرح اچھل گیا۔ مومن کی بھی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

''بس ایک ڈرگ اوور ڈوز ہے۔ وہ عادی ہے اس سب کا۔ باقی دونوں کی طرح بچ جائے گا۔'' میکانکی، بے حس اور نپا تلا انداز۔ ارتضیٰ کا خاصا۔

حمزہ جو سب سے آگے چل رہا تھا، جمائی لیتے رکا۔

''سوچو اگر ابھی باہر پولیس کھڑی ہوئی، تو کتنا مزا آئے گا؟ یہ بندہ تو کسی کام کا نہیں رہا لیکن شاید ہم ایک دفعہ جیل کا فرسٹ ہینڈ تجربہ ہی کر لیں۔'' خوش دل انداز میں فرنچ لہجہ جھلکتا تھا۔ وہ اسے جتنا چاہتا نہیں چھپا سکتا تھا۔

''تم ایسی ہی واہیات باتیں کرنا۔'' مومن کے لب کونوں سے دائیں طرف کو اٹھے۔

''تمہیں خود سلاخوں کے پیچھے ناشتے، لنچ اور ڈنر کی خواہش ہے۔ میں تو بس اس کے پورا ہو جانے کا منظر پینٹ کر رہا ہوں۔'' حمزہ نے ہاتھ اٹھا دیے جیسے جیل جانا بے ضرر ہو۔

www.novelsclubb.com

"تم کچھ پینٹ کر ہی نہ لو۔" مومن نے سر جھٹکا۔

ارتضیٰ نے درمیانہ انگلی سے ناک پر عینک اوپر چڑھائی اور سوراخ میں ہاتھ ڈال کر دوسری جانب سے دروازہ کھولا۔

وہ کھلتا چلا گیا تو آسمان کے سندروی، بنفشی امتزاج کو دیکھ کر پلکیں سکیڑیں۔ حمزہ اور ارتضیٰ گلی کے ایک جانب مڑے اور مومن ان کے مخالف سمت۔ اور یہاں ان تینوں کو چھوڑ کر اس ٹوٹی ہوئی بیس منزلہ عمارت کی چھت پر چلو۔

آسمان میں آج بادل روئی جیسے گول گول تھے۔ سرمئی میں گہرے نیلے کا عنصر تھا اور سورج کا نام و نشان نہیں۔ اور اس چھت پر، بڑے کنٹینرز اور مشینوں کے درمیان، ایک جگہ پر وہ دونوں چل رہے تھے۔

عدنان نے بازو اوپر کو سٹریچ کرتے اپنے حلق سے باہر آتے دل کو جیسے تسلی دی۔ یہ عمارت اتنی بھی اونچی نہیں تھی۔ جہاز اس سے اونچے ہوتے ہیں۔ مگر وہ تو کبھی ان میں بھی نہیں بیٹھا تھا۔

اس کے ساتھ سفید درمیانی لمبائی کے بالوں اور سیاہ کمانڈو جیسی وردی میں وہ کھڑی تھی۔ برف تاثرات جو دھوپ نکلنے پر بھی نہیں پگھلتے تھے اور ابھی تو تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔

"وہ تینوں یہیں ہیں۔" حیا ماریہ نے ناک اٹھا رکھی تھی جیسے انہیں سونگھ کر ڈھونڈ نکالے گی۔

"ہم اتنا اوپر کیوں ڈھونڈنے آئے ہیں انہیں؟" عدنان نے اپنی پیراشوٹ جیکٹ اپنے گرد اور زور سے کسی۔

"ان کے پاس گنز اور رائفلز ہیں۔ ایک نے سنائپر گن بھی چلا دی تو میں حیران نہیں ہونگی۔" اس نے اپنی کمر پر بندھی ریوالور کو چھوا جیسے کبھی بھی نکالنے کے لیے تیار ہو۔

"ہیلو، ہم چند بچوں کو پکڑنے آئے ہیں۔ یہ رائفلز کہاں سے نکل آئیں؟" عدنان الجھ گیا تھا۔

''وہ چند بچے نہیں ہیں۔'' حیا نے ناگواری سے سر جھٹکا اور گھٹنوں پہ جھک کر ایک کنٹینر کے گرد کی زمین جانچنے لگی۔ اس پر انگلی پھیری۔

''اگر تم اسے زبان پر چکھنے والی ہو، اینچ، تو میرا انسانیت پر سے۔۔۔''

حیا نے وہی کیا۔

''بھروسہ اتر جائے گا۔'' عدنان نے بدمزہ ہوتے چھوٹے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ اب اسے متلی کرنے کے لیے ایک جگہ ڈھونڈنی تھی۔ وہ صفائی کے بارے میں بہت جذباتی تھا۔

''یہاں گن پاؤڈر ہے۔'' حیا نے اعلان کیا۔

''کیا وہ چکھنے سے تم مر نہیں سکتیں؟''

''میں نے اسے تھوک دیا ہے، پاگل انسان۔'' وہ اپنے لمبے سیاہ بوٹوں میں عمارت کے کونے تک چلتی گئی۔

www.novelsclubb.com

"رکو، کیا کر رہی ہو؟"

"ہمیشہ خودکشی کی خواہش رہی ہے، اسے پورا کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔" حیا ماریہ کی ایک نیلی اور دوسری بھوری آنکھ، دونوں بالکل سنجیدہ تھیں۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے کیا؟ تمہاری ایک بھی ہڈی سلامت نہ ہوئی تو باس نے مجھے کچا چبا جانا ہے۔ سٹیک کی طرح، چھری سے کاٹ کاٹ کر۔" وہ تھوڑا دور کھڑا تھا۔ اگر ایچ آج کچھ بیوقوفانہ کرنے ہی والی تھی تو عدنان اس میں اس کے ساتھ نہیں دینا چاہتا تھا۔

"پھر مجھے یہ بتاؤ کہ اس نے تمہیں کیا کام سونپا تھا؟"

عدنان کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔

"کچھ ایسا جو میں کرنا چاہتا ہوں نہ تمہیں بتا سکتا ہوں۔"

www.novelsclubb.com

"سوچ لو۔ ورنہ میں چھلانگ لگا دوں گی۔" اس نے ایک ٹانگ آگے کر دی۔ وہ ہوا میں معلق تھی اور عدنان کا جیسے پورا وجود بھی۔ وہ ادھر مومن کو پکڑنے آئے تھے یا یہاں سے اپنی موت کی جانب کودنے۔۔۔

"حیا، میں تمہیں سچ میں نہیں۔۔۔" وہ مدبرانہ انداز میں کہہ رہا تھا جب حیا تیزی سے پیچھے پیچھے چلتی آئی۔ پھر عدنان کی توقع کے مطابق آگے بھاگی تھی۔

اور اس نے چھلانگ لگا دی۔

"حیا!"

حیا اگلی عمارت کی چھت پر کودی تھی۔ ہوا میں ایک خوبصورت دائرہ بنا کر پوری طرح گھوم کر۔ چھت پر قدم جماتے وہ فوراً ایک دیوار کے پیچھے ہوئی تھی۔ ان عمارتوں کے درمیان دس فٹ تک کا فاصلہ تھا۔ بند چھوٹی گلیاں، بھاگنے میں آسانی۔ اور حیا نے خود سے تین عمارتیں آگے تین آدمیوں کو چھتوں پر بھاگتے دیکھا تھا۔

"عدنان!" اس نے منہ پر آتے سفید بال ہٹاتے اسے آواز دی۔ "جلدی آؤ۔ وہ لوگ آگئے ہیں۔"

"اپیچ، میں مانتا ہوں میرے خواب تھے بلندیاں چھونے کے مگر اتنے بے ہودہ انداز میں نہیں۔۔۔" اس کے ہاتھ ٹھنڈے پڑ رہے تھے۔

"اتنے سال میرے ساتھ رہ کر سیکھا کیا ہے تم نے؟" ایک دم گولی چلنے کی آواز آئی تھی۔ حیا ایک دیوار کے پیچھے جھک چکی تھی۔

"فلرٹنگ میں کیا کام ہرگز نہیں کرنے چاہیے۔۔۔؟" اس نے شانے اچکا دیے۔

"میں جا رہی ہوں۔ تم بزدل آدمی، مجھے کبھی اپنی شکل مت دکھانا۔" وہ اپنی ریوالور کی میگزین چیک کرتے برہمی سے بولی۔

"بزدل، ہاں؟ تو اب میں بزدل ہوں؟" عدنان کو جیسے اپنی انا کے جاگنے کا انتظار تھا۔ بے عزتی، وہ بھی حیا ماریہ کے ہاتھوں؟ کبھی نہیں۔

"میں مر گیا نا تو میرا بھوت ساری زندگی تمہارا پیچھا کرتا رہے گا۔" وہ لمبے سانس لیتا خود کو تیار کرتے ہوئے بولا۔

"ہونہہ، اس بات کا تو مجھے پورا یقین ہے۔" حیا نے سر اوپر اٹھا کر اپنی جگہ سے شوٹ کیا۔ وہ ایک ماہرہ تھی اس کام میں۔ ایک آدمی کے پیٹ میں گولی لگی تو دوسرا اسے پکڑنے لگا۔ تیسرے نے اپنی پستول فائر کی۔

ایک بھاری بوری گرنے کی آواز ہوئی اور عدنان بری طرح کانپتا ہوا اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ کو دنا اسے بھی آتا تھا، ڈرامے تھے کہ ختم ہی نہیں ہوتے تھے۔

"میں تمہیں کبھی معاف نہیں کر رہا۔" اس کی رنگت زرد پڑ رہی تھی۔

"ڈونٹ کیئر۔" حیا نے ایک گولی سے وقت پر سر بچایا اور جواباً فائر کیا۔

"میں مذاق نہیں۔۔۔"

حیانے اس کی بات کے بیچ میں اس کو گدی سے پکڑ کر نیچے دھکیلا۔ جدھر وہ کھڑا تھا وہیں پر ایک کے بعد ایک تین گولیاں چلی تھیں۔

"جان پیاری ہے تو دوبارہ نہ اٹھنا۔"

عدنان کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ "نہیں ہونی چاہیے مگر ہے۔"

اب واپس مومن، حمزہ اور ارتضیٰ کے پاس چلتے ہیں جو فائرنگ کی آوازیں سن سکتے تھے۔ وہ اوپر بھاگتے تین آدمیوں، ایک لڑکی اور ایک بلندیوں سے خوف زدہ نازک حسینہ کے برعکس، یہاں، بیس منزل نیچے دونوں عمارات کے درمیان اسی گلی میں موجود تھے۔

www.novelsclubb.com

"کیا ہمیں انہیں بتادینا چاہیے؟" حمزہ نے دلچسپی سے فائرنگ کی موسیقی کی راہ میں تکا۔ ارتضیٰ اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ لے جارہا تھا۔

"نہیں۔ انہیں ایسے ہی لڑنے دیتے ہیں۔" مومن ابرار ظاہر نہیں کرتا تھا مگر وہ ایک sadist تھا۔ دوسروں کو، خاص طور سے دشمنوں کو تکلیف دیتے ہوئے ایک ایک سیکنڈ انجوائے کرنے والا۔ عدنان کو اس کی زندگی کے سب سے مشکل دنوں میں مداخلت کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہیے تھا۔

"پولیس ہمارے پیچھے بھی تو آئے گی نا؟" حمزہ نے بے ساختہ بڑی بے قراری سے کہا۔

"ہوں، آئے گی۔" مومن بے نیازی سے کہتا آگے بڑھ گیا۔

"مگر ہم امیر زادے ہیں اور یہ کام ہماری فیملیز سنبھال لیں گی، نہیں؟" حمزہ نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا جیسے پریشانی کی کوئی بات نہ ہو۔ غیر قانونی دھندے تو شام کی چائے جیسے تھے۔ "سوائے تمہارے، ارتضٰی۔ لیکن تمہیں ایک امیر فیملی اور اس کے تعلقات کی ضرورت بھی نہیں۔"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

ارتضیٰ خاموشی سے چلتا رہا۔وہ ان کے پیروں کے ٹریکس پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ کوئی ثبوت پیچھے نہ چھوڑنے کے لیے ایک پاؤڈر پھینکتے ہوئے۔

مومن بھی حمزہ کی باتوں کا جواب نہیں دے رہا تھا۔وجہ یہ نہیں تھی کہ طٰہٰ ابرار نے اس کی غیر نصابی سرگرمیوں کے بارے میں جان کر اسے زندہ گاڑ دینا تھا۔نہ یہ کہ حمزہ کے چاچو اسے پہلے ہی بیچنے کی تگ و دو میں تھے،اس کے کرتوت جان کر پہلی گھڑی فارغ کر دینگے۔اور ارتضیٰ کی ماں کو اس عمر میں ہارٹ اٹیک اپنے بیٹے کی وجہ سے آنا تھا۔وہ تینوں اپنے اپنے اعمال کے ذمہ دار تھے اور یہ بات جانتے تھے۔

"تم دونوں نے اب کیا کرنا ہے؟"مومن نے یاددہانی کے سے انداز میں پوچھا۔ سب الٹی سازشیں تیار کرنے والا۔

حمزہ نے ہاتھ کی تین انگلیوں کو موڑ کر انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے جیسے فون پکڑ کر کان سے لگایا۔"جی،ہیلو؟ یہاں فائرنگ ہو رہی ہے اور ڈھیروں خون خرابا۔آپ کو آخر کار ٹی وی پر آنے کا موقع مل گیا ہے!"ان میں بہترین اداکار۔

"میں نے رسیاں نہیں باندھی ہیں۔ جو ڈر گزاس کے پاس رکھے ہیں ان کے پیچھے وہ چند دن تو جیل میں لازمی گزاریں گے۔" ارتضیٰ نے مطلع کیا۔ مومن کے ہر منصوبے کے جھول ڈھونڈ کر درست کرنے والا۔ "پولیس کو ہمارے نشانات نہیں ملیں گے۔ میرا سسٹم مجھے کبھی دھوکہ نہیں دیتا۔ ہمارے یہاں آنے اور جانے کے بارے میں کوئی نہیں جان سکتا۔"

ارتضیٰ نے اپنی زندگی کے سب سے لمبے جملے بول کر حمزہ کو منہ کھولنے پر مجبور کر دیا۔ "مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم۔۔۔"

مومن نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے اسے چپ کروایا۔ کسی دن ارتضیٰ نے حمزہ کو بھی ایسا ایک نیا بیسمنٹ ڈھونڈ کر وہاں مردوں کے لیے چھوڑ کر واپس آجانا تھا۔

مومن اس سے جتنا ہی اکتا جاتا تھا، حمزہ اس کا اکلوتا دوست تھا۔ اس کی حفاظت کرنا بنتی تھی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"یہ آدمی واقعی ہمارے کسی کام کا نہیں رہا ہے۔" مومن نے تمہید باندھی۔

شوٹنگ کا شور ابھی بھی آرہا تھا۔ "اسے جیری کا اصل نام نہیں معلوم۔ اسے یہ نہیں معلوم کہ وہ باس کسے کہتا ہے۔ اسے۔۔۔"

"مگر تمہیں یہ سب معلوم ہے، ہم جانتے ہیں۔" حمزہ کی چمکتی نظریں سمجھتی ہوئی تھیں۔ "ہم تمہارے ساتھ اس لیے نہیں آئے تاکہ ایک ایسے شخص سے معلومات نکلوائیں جس کی خالہ کے تیسرے بیٹے کے ساتویں افئیر تک کے بارے میں تمہیں معلوم ہے۔"

"میں تمہارا بدلہ چکانے آیا ہوں۔" ارتضیٰ نے حمزہ کی بات رد کرتے کہا۔ جیسے سارے معاملے سے الگ تھلگ ہو اور رہنا چاہتا ہو۔

"اور 'ہم' جانتے ہیں کہ یہاں آنے کا کوئی اور مقصد تھا۔" حمزہ نے ہم پر زور دیا۔

"مگر ہمیشہ کی طرح تم ہمیں بتا نہیں سکتے۔ لیکن فکر نہ کرو۔ میرے اندازے غلط نہیں ہوتے۔ مجھے اچھے سے معلوم ہے تم کیا کر رہے ہو۔" حمزہ خوش دلی سے

www.novelsclubb.com

مسکرایااور ماتھے تک دو انگلیاں لے جا کر چھوتا وہاں سے مڑ گیا۔اس بار وہ ارتضیٰ کا بازو تھامے اسے لے جا رہا تھا۔

کچھ دیر تک وہ دونوں اس گلی سے جا چکے تھے جہاں کائی تھی اور سرمئی دیواروں کے بیچ ایک نم سڑک۔ گولیوں کی آوازیں رک گئی تھیں۔ کبھی بھی یہاں پولیس آ سکتی تھی۔ مومن نے فون پر وقت دیکھا۔

دوپہر ہو گئی تھی۔

اسے لائبریری جا کر اپنے کرمنل لاء کے سبجیکٹ کی تیاری کرنی تھی۔ آخر کو تھا تو وہ ایک اچھا طالبِ علم۔ ابھی نکلنا بہتر تھا۔ سر جھٹکتے جیسے اپنے دوستوں کی باتیں بھی ذہن سے جھٹکتے اس نے سر پر بینی درست کی اور وہاں سے چپکے سے نکل گیا۔

***

کانفرینس روم ایک مستطیل کمرہ تھا جس کی سیاہ سفید دیواریں، خالی فریمز اور ایک ایل ای ڈی پراجیکٹر کے سامنے ایک لمبی سیاہ پالشڈ ووڈ کی میز تھی۔اس کے پیچھے اونچی کھڑکیوں سے سمندر جیسا نیلا آسمان دکھائی دیتا تھا جو سرمئی بادلوں کی آمیزش سے اور خوبصورت اور خوفناک لگتا تھا۔

تیرہ کے تیرہ ڈائریکٹرز اپنی اپنی کرسیوں پر براجمان تھے۔ملائکہ کے پیش کرنے پر ایمان غیر آرام دہ، سربراہی کرسی پر بیٹھ گئی۔وہ اس کے پیچھے ہاتھ جمائے کھڑی ہو گئی۔جیسے انسپیکٹر مرزا کی تفتیش کے دوران طٰہٰ انکل اس کی وہیل چیئر کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔طٰہٰ کے ساتھ یہاں نہ آنے والے خود دار فیصلے پر اب اسے بے جا افسوس ہو رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

ایمان کا جسم ٹھنڈا پڑ رہا تھا حالانکہ یہاں کا ہیٹنگ سسٹم اچھا تھا۔گھٹنے جکڑے ہوئے تھے۔دل ابھی تک تیز تیز دھڑک رہا تھا۔اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کے ڈی میں قدم جماتے ہی سب سے پہلے ہی اس پر انگلی اٹھائی جائے گی۔ایک ایمپلائی

نے اس سے اتنی بے باکی سے اس کے امنیزیا کے بارے میں جوابات طلب کیے تھے۔ ہر کسی کے سامنے، جیسے پرواہ نہ ہو کہ یہ بدتمیزی کے زمرے میں آتا تھا یا نہیں۔ صحت ایک ذاتی چیز ہوتی ہے اور ایمان کو معلوم تھا کہ یہ سب بدتمیزی ہی تھی۔ مگر وہ اس کے لیے تیار ہرگز نہیں تھی۔

اس نے جیسے تیسے کر کے اپنی لاج رکھ لی تھی۔ وہ تو شکر تھا کہ اس کا چہرہ مستقل طور پر مغرور دکھائی دیتا تھا۔ اگر وہ ملائکہ اور زمل کی وجہ سے مسکرانے کی ورزش نہ کیا کرتی تو اس نے وقت سے پہلے Mother Gothel بن جانا تھا، اپنی خوبصورتی پر ناز اور نارسسزم سمیت۔

www.novelsclubb.com

اس کے سامنے میز کے گرد سب تجربہ کار اور اپنی اپنی فیلڈ کے ماہر لوگ بیٹھے تھے۔

بورڈ آف ڈائریکٹرز۔

کرمانی ڈیولپرز کے وزراء۔

اور ایمان کی سی ای او کی پوزیشن کے دشمنانِ اول۔

ان بارعب شخصیات کے آگے اپنا آپ منوانا اسے ایک ناممکن امر لگتا تھا۔

اور وہ یہاں اسی سلسلے میں آئی تھی۔

ملائکہ نے اسے گھر پر ساری کارستانی سے آگاہ کیا تھا۔ کیسے یہ لوگ اس کے غائب ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے اس کی جگہ سے ہٹانا چاہتے تھے۔ کیسے وہ اس کا متبادل ڈھونڈنے کی سر توڑ کوششوں میں تھے۔ کیسے ایمان کے والد، جاوید کرمانی کی آخری یاد اس سے چھننے کے بے حد قریب تھی۔

ملائکہ کو کہاں معلوم تھا کہ ایمان جاوید یادداشت کے ساتھ ساتھ اس جگہ اور اپنے باپ سے جڑے جذبات بھی کھو چکی تھی۔

ہاں، وہ اس کی دلجوئی کے لیے یہاں آگئی تھی۔ ہاں، اب اسے ہر صورت اس مسئلے کو سنبھالنا تھا۔ ہاں، اس کے پاس کوئی ظاہری لائحہ عمل نہیں تھا جو اس کی رہنمائی

کرتا۔اور ہاں،اسے ان شیطانی شکلوں اور شیطانی نیتوں والے سوٹڈ بوٹڈ افراد سے اپنی جان کے لیے خطرہ لاحق محسوس ہو رہا تھا۔

مگر یہ لوگ اسے ایک مالک کی پوزیشن سے ہٹانے کے لیے اس کو قتل تھوڑے ہی کرنے والے تھے۔۔۔حالانکہ وہ سب سے آسان طریقہ تھا اور ان کے چہرے بدتر گناہوں کا قیاس کراتے تھے۔۔۔مگر پھر بھی۔وہ ایسا نہیں کرنے والے تھے، ہے نا؟

"اگر آپ سب برا نہ مانیں تو ایک سیلفی ہو جائے؟"

ملائکہ کے چہکتے انداز پر ایمان کی دھڑکن تھمی۔وہ ہنس دیتی اگر سینے کے اندر تک ٹھنڈ نہ جمی ہوتی۔

انور صاحب،ایک ادھیڑ عمر سفید بال اور سخت نقوش والے شخص،اعتراض کرنے والے تھے۔مگر ملائکہ تیز تھی،کسی کی بھی سنے بغیر ایمان کے ساتھ کھڑی ہوئی اور "سمائل!" کہتے سنیپ کیا۔اس نے اس تصویر میں ہر ایک کو 'قید' کر لیا۔پھر

جلدی سے تصویر پر ایک نگاہ ڈالتے فون اپنے گلے میں ڈالے فون بیگ میں ٹھونس دیا۔ آج اس کا رنگ نارنجی تھا۔

"ہمیں سنجیدہ ہو کر بات کرنے کی ضرورت ہے، مس ملائکہ۔ سیلفیز کی نہیں۔" ایک کھنچے ہوئے تنگ جوڑے والی معزہ سرحدی نے کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ مگر آج کے لیے آپ سب سمجھیں میں یہاں نہیں ہوں۔ آپ سب جو کچھ ایمان جاوید کے بارے میں پلان کر رہے ہیں، وہ کہہ ہی دیں۔"

سمیٹے ہوئے بھورے بالوں والی لڑکی کے بائیں طرف سیاہ دیوار پر بڑا سا انگریزی میں لکھا سنہری رنگ کا 'کے ڈی' چمکتا تھا۔ 'کے' کے درمیان سے ایک سنہری پتا نما لکیر گزرتی تھی جو ڈی میں گھس کر اوپر کو مڑ جاتی تھی۔

"ہمیں آپ کے حادثے کا سن کر افسوس ہوا۔" منہاج صاحب نے بے تاثر لہجے میں افسوس کیا، جیسے انسپکٹر مرزا کا انداز تھا۔ "آپ کا امنیژیا ایک غیر متوقع سیٹ بیک ہے۔ جان کر افسوس ہوا کہ آپ اب ہم میں سے کسی کو بھی نہیں پہچانتیں۔"

"جی، بالکل۔"

"آئی ایگری!"

"صحیح بات ہے۔"

سب کے غیر پر ملال جملے آپس میں گڈ مڈ ہو کر دم توڑ گئے۔ ایمان ٹھیک سے ٹھوڑی ہلا کر شکریہ بھی نہیں کہہ سکی۔ تہذیب بھی کتنی عجیب چیز تھی۔ آپ سب کھو دیتے ہیں تب بھی افسوس کرنے والوں کا شکریہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

ملائکہ نے منہ پر ہاتھ رکھتے جمائی روکی۔

"کام کی بات پر آئیں، وزراء صاحبان؟"

چند ناگوار نگاہیں اٹھیں۔ جلیل صاحب جو ایمان کے دائیں طرف سے چوتھی کرسی پر بیٹھے تھے، گلا کھنکھارتے سب سے مخاطب ہوئے۔

"بات سادہ ہے۔ پہلے مس ایمان ایک ناتجربہ کار لڑکی تھیں۔ اس وقت ابرار صاحب بھی کے ڈی کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے اس لیے ہم لوگ ایک کم عمر بچی کو بطور سی ای او، اس فرم کی مالکن مان گئے۔ لیکن جب سے ابرار صاحب یہاں سے گئے ہیں، اس بچی کی حقیقی قابلیت ہمارے سامنے آ کر کھل چکی ہے۔ سب کچھ بہت واضح ہے۔"

وہ یہاں کے سب سے فصیح اور شاطر آدمی لگتے تھے۔ ان کی ایک ایک بات سکون سے کہی گئی تھی مگر پاور سیٹ پر بیٹھی ایمان ان سے متفق ہوتے ہوئے بھی نہیں تھی۔ اس نے اپنے اندر کی مغرور لڑکی کو جھنجھوڑا۔ جیسے شاید اپنے کسی انٹرویو کی ویڈیو میں دیکھا تھا، اس نے ہاتھ نزاکت سے لہرایا۔ یوں کہ جیسے جلیل صاحب کی کہی ساری بات رد کر دی ہو۔

”میں دس سال کا تجربہ نہیں رکھتی۔ لیکن پانچ سال سے یہیں کام کرتی رہی ہوں۔ آپ سب کی طرح میری ٹانگیں قبر میں نہیں لٹک رہیں، مگر مجھے کام کرنا آتا ہے۔ میں یو ای ٹی کی گولڈ میڈ لسٹ ہوں۔ میڈیا میں میرا ایک نام ہے۔ میں صرف ایک بچی نہیں۔“

”آپ کے میڈ لز اور سندوں سے ہم واقف ہیں، مس ایمان۔“ شیریں عبادی نے کہا۔ ”آپ کے میڈیا میں کیے گئے کارنامے بھی ہم سب نے live دیکھے ہیں۔ مگر ان کے باوجود آپ یہاں بیٹھنے کے قابل نہیں دکھائی دیتی ہیں۔ کہیں، کیا آپ کو اپنے کام کے بارے میں کچھ بھی یاد ہے؟“

www.novelsclubb.com

شاید یہ کوئی بھدا، بہت ہی بھدا مذاق تھا۔ میز پر تین عورتیں اور باقی دس مرد تھے۔ سب اس سے عمر اور تجربے اور پڑھائی اور عمل میں بڑے۔ وہ اس سے زیادہ عقلمند تھے۔ ان کے پاس اتنی ڈگریاں تھیں کہ ایمان اپنی انگلیوں پر بھی نہ گن پاتی۔ وہ اپنی فیلڈ میں اتنے عرصے سے رہ چکے تھے کہ تئیس سالہ 'بچی' کے زیرِ

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

نگرانی اتنی بڑی فرم چھوڑ دینا ان کے نزدیک ایک زیاں تھا۔ان کے لیے یہ ایک بھدا مذاق ہی تھا۔

ایسے میں اس کے ڈیڈ کیا کہتے تھے؟اس نے گہری سانس لیتے آنکھیں لمحے بھر کے لیے بند کیں۔

"فطرت۔انسان کو سب سے کمزور اس کی فطرت بناتی ہے۔ہر کام بہترین کرنے کی خواہش رکھنے والے کو اس کے کام میں ایک نقص ڈھونڈ دو۔سچ بولنے والے کو اس کے سچ کے بارے میں الجھا دو۔خدمتِ خلق کرنے والے کے سامنے ایک ایسا زخمی بٹھا لاؤ جس کے لیے وہ کچھ نہیں کر سکتا۔اس کی فطرت ہی اسے توڑ ڈالے گی۔"

سرمئی آنکھیں کھلیں تو وہ متحیر تھیں۔

جاوید کرمانی کی باتیں اسے یاد آجاتی تھیں۔چہرہ نہیں،مگر الفاظ اور لب ولہجہ۔وہ گہری مردانہ آواز جس میں سمجھاتے ہوئے بھی ایک شوخی سی تھی،شاطرانہ سا

عقلمندانداز۔ جیسے ہسپتال میں پہلی بار مومن ابرار سے ملتے اس نے خطرہ محسوس کیا تھاتواس کے باپ کی آوازاس کا سہارا بنی تھی۔ جیسے وہ وہیں ہوں۔اس کے پاس۔ ایک ایسا باپ جس کے لیے وہ کچھ بھی محسوس نہیں کرتی تھی کیونکہ اسے وہ یاد نہیں تھے۔

"جی، مجھے اپنا کام اچھی طرح معلوم ہے۔" ایمان کو اپنا خون رگوں میں تیزی سے دوڑتا محسوس ہو رہا تھا۔ "مجھے یہ نہیں یاد کہ میں وہ کب کیا کرتا تھی، اور میرا آپ لوگوں کے ساتھ تجربہ کیسا رہا ہے۔ مگر میں کیا اور کیسے کرتی تھی، اس کے بارے میں سب جانتی ہوں۔ میں آپ لوگوں کے نام بے شک بھول چکی ہوں اور یہ سب مجھے بتائے گئے ہیں، مگر میں فطرت پہچاننا جانتی ہوں۔ یہ سب میرے ڈیڈ نے مجھے سکھایا تھا۔"

آخری جملہ لبوں سے آزاد نہیں ہونے دیا۔ باقی سب کہہ دیا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

اور یہ سچ تھا۔اسے اپنی ذات سے جڑی ہر بات بھول چکی تھی مگر اپنی تعلیم، جنرل نالج، دنیاوی معلوملت یا بات کرنے کا سلیقہ نہیں۔پہلے اسے لگا تھا کہ اسے اس سب میں سے کچھ بھی یاد نہیں ہوگا مگر اس کا وارڈروب۔۔۔اچھے کپڑے بھی اپنے ساتھ کتنے راز لاتے ہیں۔

وقفے وقفے سے کوئی پرانی خوشبو، کوئی منظر، کوئی شخص یا کوئی آواز یاد دل میں بے سکونی اسے کچھ ایسا یاد دلاتی تھی جو وہ اپنے بارے میں بھول چکی تھی۔ایسا نہیں تھا کہ اس کے خواب بہت کلئیر تھے یا اسے اچھے سے یاد رہتے تھے۔نہ یہ کہ وہ جو بھی بات ذہن میں آنے پر ٹٹولتی تھی تو وہ ہمیشہ کوئی پرانی یاد ہوتی تھی۔ مگر اسے کچھ بہت یاد تھا۔ٹھیک سے نہیں لیکن اسے کڑیاں جوڑنی آتی تھیں۔ایمان جاوید کو کڑیاں جوڑنی ہی تو آتی تھیں۔

"ایمان، آپ شیور ہیں اس بارے میں؟ کوڈنگ اور ایک بزنس سنبھالنا خاص طور سے جب آپ کی طبیعت ناساز ہو، ایک اچھا فیصلہ نہیں۔" یاسمین جنید نے کہا جن کے سبز ڈیزائنر کپڑے ان کے بینک بیلنس کے گواہ تھے۔

"میں بالکل شیور اور اپنے ہوش و حواس میں بات کر رہی ہوں۔ میری اپنے سرجن سے تفصیلی گفتگو ہوئی ہے اور میری سائکاٹرسٹ نے بھی مجھے تسلی بخش جواب دیا ہے۔" وہ کہنی میز پر رکھتے کمر کرسی کے ساتھ لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اب انداز آرام دہ تھا۔

سب ٹھیک جا رہا تھا۔ اسے اپنے پیچھے کھڑی ملائکہ کا چہرہ نہیں دکھائی دے رہا تھا جس کے ذہن میں فقط ایک ہی سوچ تھی۔ سب غلط جا رہا تھا۔

"اوکے، مان لیا کہ آپ یہ کام کر سکتی ہیں۔" منصور صاحب نے اپنے گول چشمے درست کرتے کہا۔ "مگر یہ میڈیا والا مسئلہ۔۔۔ اس کا کیا؟"

"کیسا مسئلہ؟" ایمان کی آنکھیں تحیر سے پھیلیں۔

"لو جی، انہیں تو معلوم ہی نہیں ہے۔" شیراز صاحب نے میز پر ہاتھ بجایا۔

ملائکہ جو اپنی ہر کتاب میں چھوٹی سے چھوٹی تفصیل کا خیال رکھتی تھی، زندگی کی کتاب میں اتنا بڑا مسئلہ نظر انداز کر گئی تھی۔ اپنے تحفظ میں، وہ اپنے کرائم تھرلرز بیسویں صدی کی سیٹنگ میں لکھا کرتی تھی۔ تب سوشل میڈیا جیسا وبالِ جان پیدا نہیں ہوا تھا۔ ایمان کا شانہ تسلی بخش انداز میں تھامتے وہ آگے ہوئی۔ چند ایک جھوٹ گھڑنے ایک لکھاری کے لیے کونسا بڑا کام تھا۔

"سوشل میڈیا، ٹی وی کی خبریں اور میری بہن سے منسلک کیس کی افواہیں، افواہیں ہیں۔ ایسا ہر مشہور انسان کے ساتھ ہوتا رہتا ہے۔ کبھی لفظ سکینڈل بھی سنا ہے؟ شیراز صاحب کو تو اس کی تشریح بھی کرنی آتی ہو گی۔"

شیراز صاحب کی آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔ سوٹ کی اوپری جیب سے اپنا پین نکال کر سامنے پڑے کاغذات کے پلندے پر کچھ لکھنے لگے۔ ان کا دوبارہ سر نہیں اٹھا تھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"کیا آپ کھاریاں کے اس سنسان جنگل میں زخمی حالت میں نہیں پائی گئیں؟"

منصور صاحب نے تیکھے انداز میں سوال کیا۔"اور کیا وہاں ایک لاش بھی نہیں پائی گئی؟"

"اور موقع واردات پر کسی اور کے نشانات نہیں ملے سوائے آپ کے،اس کا کیا؟"

یاسمین صاحبہ نے لقمہ دیا۔"اور وہ آگ؟"

"ہاں،وہ آگ؟"

"جی، بالکل۔"

"ہاں،اس کا ذمہ دار کون تھا؟اس سب کو ٹھیک کون۔۔۔"

"اس میں پڑنے والی، ظاہر ہے!"

"یہ کیسے کرے گی؟"

"طٰہٰ ابرار پہلی بار ایک کیس ہاریں گے۔۔۔"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"پہلی نہیں، دوسری بار!"

"وہ میڈیا کی افواہیں۔۔۔"

"مجھے وہ سچ لگتی ہیں۔۔۔"

"مجھے بھی! آخر۔۔۔"

سب لوگ ایک ساتھ بولنا شروع ہوئے تو مردانہ اور نسوانی آوازیں آپس میں گھلتیں ایمان کا سر چکرا گئیں۔ ان کے نزدیک یو ای ٹی کی میتھ میں گولڈ میڈلسٹ، ایک کم عمر کوڈر اور اپنی عمر سے بڑھ کر صلاحیتوں کی مالک لڑکی کچھ بھی نہیں تھی، سوائے ایک۔۔۔ بچی کے۔ اس کا سر درد کر رہا تھا، آنکھیں درد کر رہی تھی، زندگی درد کر رہی تھی۔

"سب خاموش!"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

ملائکہ کے بلند آواز میں کہنے پر سب لوگ اس کی جانب ملتے جلتے کوفت زدہ تاثرات کے ساتھ گھومے۔ پھر دوبارہ آپس میں بات کرنے لگے۔ تب ایمان کو احساس ہوا کہ وہ لوگ ملائکہ کو یہاں کچھ نہیں مانتے تھے۔ بے شک ملائکہ سے ظاہری طور پر سب لوگ بہت گرمجوشی سے، بلکہ محبت سے بات کرتے گئے تھے، مگر وہ اس کے ہم عمر یا اسی کے قریب کے ایمپلائز تھے۔ لیکن یہ ڈائریکٹرز تو جیسے گھر سے ناشتے میں فیصلہ کر کے آئے تھے کہ آج دونوں سے چھٹکارا چاہیے۔ ایمان کو نکالنا ان کا مقصد تھا۔ وہ نہیں ہوگی تو ملائکہ کی جانب پلک جھپکائے بنا وہ اسے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال باہر کریں گے۔

ایمان کی زرد پڑتی رنگت پر ملائکہ جاوید کو ایک دم آنکھوں کے آگے سرخ دکھائی دینے لگا۔ احسان کے بدلے احسان۔ اس کی ماں نے سکھایا تھا۔ مگر منتہٰی رمضان کی بیٹی ایمان جاوید کی مقروض تھی۔

وہ سب لوگ ابھی بھی کہہ رہے تھے۔

www.novelsclubb.com

"منہاج صاحب درست کہہ رہے ہیں، یہ دونوں یہاں کام نہیں کر سکتیں۔۔۔"

"ہم ان بچیوں کو مشورے دیتے ہیں، یہ بھی کوئی کام ہے ہم جیسے مصروف لوگوں کے کرنے والے۔۔۔"

ایمان کا سر چکرانے لگا تھا۔

"آپ لوگ بچوں کی طرح شور مچانا چھوڑ دیں تو میری بات سن لیجیے گا۔"

ملائکہ کی آواز سارے کانفرینس روم میں تیز فضا کے جھونکے کی طرح پھیلی تھی۔ کے ڈی کے سنہری الفاظ میں اس کا عکس دکھتا تھا۔

وہ سب ایک دم اسے دیکھنے لگے۔

"انتہائی بورنگ گفتگو۔اس سے بہتر ساس بہو والے ڈرامے ہوتے ہیں۔" ملائکہ انہیں دیکھنا چھوڑ چکی تھی۔ایمان کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرائی۔ "فکر مت کرو۔ ان لوگوں کو ہر چند ماہ بعد ایسے tantrums کی عادت ہے۔یہ کوئی بڑی بات

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

نہیں ہے۔لازمی ہے کہ جتنے سٹریس میں یہ اپنے کام سرانجام دیتے ہیں، کہیں نہ کہیں تو اسے نکالیں گے۔اور جب یہ ایسا کرتے ہیں تب انہیں بھول جاتا ہے کہ یہ کسی چھوٹے موٹے شئیر ہولڈر یا پارٹنر سے گفتگو نہیں کر رہے۔یہ مالکان سے بات کر رہے ہیں۔"

اس کی شیریں مسکراہٹ زہر جیسی لگتی تھی جب اس نے ان تیرہ افراد کی میز کی سمت رخ کیا۔

"اب اس سب میں ایسی تعجب والی کیا بات ہے جو آپ سب کے منہ کھلے ہوئے ہیں؟ میں مفت کھانا بانٹ رہی ہوں کیا؟ لیکن اس بار اپنی باتیں جاری رکھیں۔ ایمان اور ملائکہ جاوید کی حیثیت کے مطابق۔"

دو مردوں کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔ایک عورت کے نرم چہرے پر ایک چھوٹی مسکراہٹ تھی تو دوسری کی بھنویں کھڑی تھیں۔سب لوگ متحیر لگتے تھے۔زیادہ تر مردوں کی شکلوں سے واضح تھا کہ وہ ملائکہ کو قتل کر دینا چاہتے تھے۔اس کی

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

حفاظت کے احساس سے ایمان کرسی میں پہلو بدل کر اس کے قریب ہوئی۔ ملائکہ اس کے پیچھے دوبارہ اپنی جگہ لے چکی تھی۔ ان کے الزامات ایمان کے سر میں گردش کر رہے تھے۔ آخر کو، الزامات لفظوں کی وہ قسم ہوتے ہیں جو ذہن چھوڑ جائیں لیکن دل کو نہیں چھوڑتے۔

"مجھے نہیں لگتا اور کوئی کرنے والی بات بچتی ہے۔ انہیں کے ڈی کے شئیرز بیچ کر یہاں سے فارغ ہو جانا چاہیے۔" شیراز صاحب نے اپنی کرسی پیچھے دھکیلتے کہا تو ایمان پر گویا ٹھنڈا پانی الٹ گیا۔ وہ ہونقوں کی طرح انہیں دیکھ رہی تھی۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" ملائکہ شاکی انداز میں کہتے اس کے پیچھے سے ہٹی۔ ایمان کی سانسیں تھم گئی تھیں۔ وہ ایک ہی جگہ جامد رہ گئی تھی۔

ایک اور ڈائریکٹر کھڑے ہوئے اور ایمان کو لگا باقی سب بھی اسی طرح، اسے، ایمان جاوید کو، رد کرتے، دھتکارتے ہوئے وہاں سے نکل جائیں گے۔ وہ اس کی

ایک بات تک سننا نہیں چاہتے تھے۔ان کے ذہنوں میں اس کی ایک تصویر فٹ تھی اور وہ مٹ نہیں سکتی تھی۔

اوہ پرانی ایمان، تم نے آخر کیا کیا تھا؟

وہ اپنی کرسی کو دھکا دیتے وہاں سے ایک دم نکلی تھی۔ہیلز سے جان بوجھ کر ایک گول میز کو ٹھوکر ماری۔اس پر پڑا ڈیکور پیس ایک چھنا کے دار آواز کے ساتھ گر کر ٹوٹ گیا۔میز کی بھی ایک ٹانگ الگ ہو کر آگے کو پھسلی گئی۔

"آپ لوگ کر لیں جو بھی فیصلے کرنے ہیں۔میں یہاں مزید نہیں رک رہی۔"

وہ سب کو ہکا بکا چھوڑتی سیاہ دروازوں کے دونوں پٹ کھول کر باہر نکل گئی۔جاتے ہوئے انہیں زور سے پٹخ کر بند کیا تھا۔

شیریں عبادی نے سر نفی میں ہلاتے جیسے افسوس کیا۔ان کا باب کٹ اس حرکت کے ساتھ ہلا تھا۔

ملائکہ اپنی جگہ ابھی تک شل کھڑی تھی۔

آہستہ آہستہ پلکیں جھپکاتے اس نے ان سب پر نظریں دوڑائیں۔افسوس تو اسے تھا۔یہ جانتے ہوئے کہ ایمان جاوید نے کبھی اس فرم کا نقصان نہیں کیا تھا، یہ لوگ اپنی جھوٹی انا اور احساسِ برتری میں اتنے آگے نکل گئے تھے کہ ہمیشہ اس کی راہ میں رکاوٹیں ہی ڈالتے رہے تھے۔اور اب جب ایک اصل رکاوٹ ایمان کی راہ کو روکے ہوئی تھی تو ان سب کو اپنا موقع مل گیا تھا۔

اس نے فش ٹیل کندھے سے پیچھے سرکائی اور سربراہی کرسی وہاں سے ہٹاتے میز پر ہاتھ جمائے۔جھک کر کھڑی ہوئی۔شہد آنکھوں میں کچھ سیاہ تھا، کچھ بارعب۔

"شیریں صاحبہ، آپ کی بیٹی ہبہ میری بہت اچھی دوست ہے۔یونیورسٹی سے۔" ملائکہ نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔"اس کے بہت سے مینٹل ایشوز ہیں۔ جس کی وجہ سے ہیں اسے آپ چھوڑنے پر تیار نہیں۔ہو سکتا ہے میرے کہنے پر ہبہ آپ کو ہی چھوڑ دے۔"

شیریں صاحبہ کا منہ کھلا رہ گیا تھا، اس لڑکی کی جرأت پہ۔

ملائکہ نے گردن گھمائی اور جلیل صاحب پر نظریں گاڑیں۔ "آپ کی بیٹی کا شوہر، کیا نام تھا اس کا۔۔۔آہ، سفیر۔ میرا کنسلٹنٹ ہے۔ ابھی کے لیے صرف یہی ہے۔" خوشگوار انداز میں مطلع کیا، جلیل صاحب کے چہرے کی سرخی پر اندر ہی اندر ایک اطمینان محسوس کرتے۔

معزہ صاحبہ کی جانب دیکھا۔ "کیا آپ کو واقعی لگتا ہے کہ آپ کا بیٹا ہفتے میں مجھے تین دفعہ پروپوز کرے گا اور میں ایک بار بھی ہاں نہیں کہہ سکتی؟ رئیلی؟"

ٹھوڑی اٹھائی۔ اب باری منصور صاحب کی تھی۔ "مجھے آپ کی بیوی سے ہمدردی ہے۔ اتنی زیادہ کہ ہم دونوں ایک ہی ہئیر سیلون میں ہر چند ہفتوں بعد ملتے ہیں۔ وہ میری بہت اچھی دوست ہیں۔ اپنے غموں سے آزادی کے لیے شاید میرا آپ سے آزادی کا مشورہ تک مان جائیں۔"

شیراز صاحب۔ ”آپ کی بہن کے شوہر پر جو کیس چل رہا ہے وہ ابرار صاحب کی لاعلمی کی وجہ سے رکا ہوا ہے۔ مگر وہ کب تک لاعلم رہیں گے؟“ ان کے شوہر کے خلاف قتل کا کیس تھا۔ان کی بہن کا۔اور وہ ایمان اور اسے طعنہ دے رہے تھے۔ ملائکہ ایک قاتل کا ساتھ دے سکتی تھی، اپنی بہن کی بے عزتی کرنے والے کا نہیں۔

”انور صاحب! آپ کے اور منہاج صاحب کے اتنے اچھے تعلقات ہیں۔خاندانی تعلقات۔“ باقی سب کی حیرت پر ملائکہ نے طنزیہ انداز میں لبوں پر ہاتھ رکھا۔

”آپ سب نہیں جانتے؟ ان دونوں کی بیویاں آپس میں ایک۔۔۔“

”بہت ہو گیا، ملائکہ شہیر۔“ منہاج اور انور صاحب ایک ساتھ اٹھے تھے۔

”ملائکہ جاوید۔“ تصحیح کی۔ ”جیسے میرے نام کو آپ غلط لیتے ہیں، میں بھی غلط باتیں ہی کرنے لگوں گی۔اسے لینے کے دینے کہتے ہیں، معزز ڈائریکٹرز!“

وہ ہاتھ اٹھاتے چلنے لگی۔ گری گول میز تک گئی اور ٹوٹے گلدان کے ٹکڑے اینکل بوٹس تلے کچل دیے۔ وہ اسے ہمیشہ سے یہاں سے نکلوانا چاہتی تھی۔ وہ اس کمرے کے aesthetic سے مماثلت نہیں رکھتا تھا۔

”یاسمین صاحبہ، میری آپ سے بات نہیں ہو سکی۔“ ہاتھ کمر کے پیچھے باندھتے وہ ان سب کی سمت ایک افلاطون کی طرح گھومی۔ ”آپ کے دیور۔۔۔“

”اوکے، بہت ہوا!“ وہ چلائی تھیں۔

وہ تیرہ کے تیرہ افراد جو خود کو خدا کے ذاتی چیف آف سٹاف سمجھتے تھے، ایک ایک کر کے کھڑے ہونے لگے۔ کسی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا تو کسی کے کان۔ کوئی بھی ملائکہ کے منہ سے نکلے الفاظ پر خوش نہیں تھا۔ ایمان کے برعکس وہ اسے ضرور قتل کرنا چاہتے تھے۔ ویسے بھی، کمزوری ہر انسان کی ہوتی ہے۔ خاندانی تکلیف ہر ایک کی زندگی میں۔ ملائکہ بس دوستوں کے ہی آگے پیچھے کا پتہ نہیں رکھتی تھی، وہ دشمنوں کی معلومات بھی تکیے کے نیچے رکھ کر سویا کرتی تھی۔

وہ دروازے سے نکل رہے تھے جب ملائکہ جھلملاتی انگلیوں سے سب کو باہر نکلتے ہوئے ہاتھ ہلا رہی تھی۔

"بائے! آنے کا ذرا سا بھی شکریہ نہیں۔"

جب آخری شخص بھی سیاہ سفید ہال سے نکل گیا تب بھی وہ مسکراتی رہی۔ اسی عجیب شیریں انداز میں جو اس کا اپنا تھا اور بہت پیارا تھا۔ ابھی زہر جیسا لگ رہا تھا۔ وہ ایک ریوالونگ چیئر پر بیٹھ گئی۔ اس میں آہستگی سے گھومی۔ ہتھیلی سے چہرے پر پنکھا جھلایا۔ کرسی ایک بار مڑی۔ جب چہرہ دوبارہ منظر میں واضح ہوا تو مسکراہٹ فنا تھی۔

www.novelsclubb.com

"اُف، ملائکہ تم بھی ناں!" بازو کرسی کے ہتھ پر جما رکھے تھے۔ چھت پر لگی سفید روشنیوں کو دیکھنے لگی۔ نظروں میں وہ دھبے بننے لگ گئے جو روشنی کو زیادہ دیر دیکھتے ہوئے دکھائی دینے لگتے تھے۔ کچھ دیر پلکیں جھپکاتی رہی۔ پھر اٹھ گئی۔

"انہیں لگتا ہے یہ مجھے اور میرے خاندان کو بے عزت کر سکتے ہیں اور میں انہیں اس سے بدتر سزا نہیں دونگی۔" خود کلامی کا سا انداز۔"ملائکہ جاوید۔پیاری ملائکہ جاوید۔سب سے محبت کرنے والی ملائکہ جوان کی فیملیز کا حال چال پوچھتی ہے۔ کیونکہ وہ دل کی بہت اچھی ہے۔"

دیوار میں نصب اونچی شیشے کی کھڑکیوں کے پردے سرکا کر وہ باہر دیکھ رہی تھی۔ ہلکی بارش شروع ہوگئی تھی۔تب اسے خیال آیا۔۔۔

"میں نے ٹھیک کیا نا، ایمان؟" اس نے شرمندگی سے اس سے مڑ کر پوچھنا چاہا، جیسے بچپن سے عادت رہی تھی۔

خالی پن کے احساس پر ٹھٹکی۔ نظر گری ہوئی گول میز پر آرکی۔آنکھیں پھیلیں اور بیوقوف دماغ کو کوسا۔ایمان تو یہاں تھی ہی نہیں۔

ملائکہ ان اونچے شیشوں سے باہر شہر کو دیکھتی رہ گئی۔ شیشہ جس پر بارش کی چند بوندیں تھیں، ایسا شیشہ جس سے وہ باہر دیکھ سکتی تھی مگر کوئی اندر نہیں دیکھ سکتا تھا۔

***

وہ مرمریں راہداری میں مضبوط قدم اٹھا رہی تھی۔ اپنے گلے کے metal choker میں ایک انگلی ڈالتے بے نیازی سے سفید بال لہراتے چلتی گئی۔ اسے ذرا بھر پرواہ نہیں تھی کہ اس کی سیاہ جیکٹ، کھلی سفید ٹی شرٹ اور پھٹی ہوئی جینز یہاں کے ڈریس کوڈ کے کتنے خلاف تھیں۔ راستے میں کھڑے لوگ حیا ماریہ کے لیے مرعوبیت اور ستائش سے دائیں بائیں جگہ دیتے گئے۔

اس کے باس کی لاء فرم ہمیشہ جیسی ہی تھی۔ عجلت میں کام کرتے انٹرنز، ان پر حکم چلاتے وکلاء، ایڈووکیٹس اور دیگر قانونی حیثیت رکھنے والے لوگ۔ سب کام پر پہنے جاتے سوٹ بوٹ میں ملبوس۔ کسی کی ٹائی یا بیلٹ خراب نہیں۔

اگر کچھ نارمل نہیں تھا، تو وہ حیا ماریہ کی سرد آنکھیں تھیں۔ ایک نیلی اور ایک بھورے رنگ کی۔ جو بھی اس سے نگاہ ملاتا، مرد ہو یا عورت، تین قدم پیچھے لیتا وہاں سے بھاگ نکلتا تھا۔ خاص طور سے جبکہ اس کا ہاتھ اپنی جینز کے ویسٹ بینڈ پر تھا، جہاں اس نے اپنی ریوالور پھنسا رکھی تھی۔

.44 Magnum۔

اس کی پسندیدہ۔ ایک خوبصورت چیز۔

ایہاں سے تین فلورس اوپر، اس لاء فرم کے ایگزیکٹو فلور پر وہاں کے مالک کا آفس میں چلتے ہیں۔ سفید بہت بلند دیواریں۔ لکڑی کے دروازے کے پار وہ اس وقت بیٹھے ہوئے تھے۔

www.novelsclubb.com

سربراہی کرسی کے پیچھے ایک بڑی پینٹنگ تھی۔ایک ذو معنوی تصویر۔دو چیزوں کا الوژن دیتی۔ایک خوبصورت بند سفید نیلوفر۔اور ایک مرجھائی ہوئی، دکھی، موت کی خواہش رکھنے والی عورت۔کس کی وجہ سے آخر۔۔۔

وہ اپنے لیپ ٹاپ کی سکرین کے پیچھے فون کان سے لگائے بات کر رہے تھے۔ان کی بھاری، سنجیدہ آواز خاموش کمرے میں گونجتی۔وہاں پھیلتے کھڑکیوں سے آتے گہرے نیلے، اندھیرے کو دعوت دیتے جامنی رنگ میں ان کا وجیہہ چہرہ نمایاں تھا۔

"تو آپ نے آخر کار خود کو کسی کام کا ثابت کر ہی لیا ہے، وارث صاحب۔"

وارث صاحب کی آواز ان کے لہجے کی ہشاشیت کے برعکس روکھی اور قدرے سپاٹ تھی۔"جی، بالکل۔اب اس کیس کی فائلز کو کھلوانا ناممکن ہے۔آپ کی مدد کر کے مجھے بہت خوشی ہوئی لیکن اب میں اپنے کام پہ۔۔۔"

وہ ہنس دیے۔"وارث صاحب، اتنی جلدی کہاں۔آپ ناراض لگتے ہیں۔"

"جی، ایسا تو نہیں ہے۔" وارث گڑبڑایا۔ "میں تو بس۔۔۔"

"یہ کالز میرے اور آپ کے اعمال نامے سے مٹ رہی ہیں۔" آفس میں بیٹھے مرد کی خوش اخلاقی ندارد تھی۔ اب وہاں صرف رعب تھا۔ ایک دھمکی کی جھلک۔ "یہ exchange مجھے کسی زندہ انسان کے لبوں، اس کے لکھے دستاویزات یا کسی کو تصویری شکل میں دی گئی معلومات کی صورت نہ دکھے۔ سمجھے؟"

وارث صاحب اپنے گھر بیٹھے ان تمام لمحات کو کوس رہے تھے جب انہوں نے اپنے دوستوں اور دشمنوں کی باتیں نظر انداز کرتے اس آدمی پر بھروسے کا فیصلہ کیا تھا۔ غلطی۔ ہر غلطی اتنی بھاری کیوں پڑتی تھی؟

"میں۔۔۔ میں سمجھتا ہوں۔ آپ فکر مت کیجیے۔ شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔"

دوسری جانب سے فون کب کا کٹ گیا تھا۔ ایڈووکیٹ وارث اپنی ٹائی ڈھیلی کرتے اپنے کندھوں سمیت پورے کے پورے ڈھلک گئے۔

www.novelsclubb.com

آفس میں اپنی کرسی پہ براجمان، فون رکھنے کے بعد اب وہ سکون سے اپنا کام کر سکتے تھے۔ تب ہی دروازے پر ان کی سیکرٹری خضرا نے دستک دی۔

''اس وقت میں کسی سے نہیں ملتا، آپ کو بھول گیا ہے؟'' ان کی مصروف آواز سنائی دی۔

''جی، سر۔ مجھے معلوم ہے۔ وہ دراصل۔۔۔'' اس کی اڑی اڑی رنگت کو مزید اڑاتے حیامار یہ خضرا کے منہ پر دروازہ بند کرتی اپنے باس کے آفس میں داخل ہوئی۔

''آہ، حیامار یہ۔ تم!'' طٰہٰ ماجد ابرار نے آنکھوں پر چڑھائے ریڈ نگ گلاسز اتار دیے۔ سنہری آنکھیں تکان زدہ لگتی تھیں۔ ''بیٹھ جاؤ۔''

***

ایمان اپنے آفس میں کھڑی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ چہرہ شرمندگی اور برہمی کے ملتے جلتے جذبات سے سرخ پڑ رہا تھا۔ کاسنی پردوں کے بیچ سے آتی سنہری شعائیں اور نیلا آسمان اس پہ نور بکھیرے ہوئے تھا جبکہ وہ کسی اندھیر سیاہ کونے میں چھپ جانا چاہتی تھی۔

آفس بالکل ویسا تھا جیسے اس انٹرویو کی تصاویر میں تھا۔ سفید دیوار کے ساتھ لگا بک شیلف اور ریکلائنر۔ بڑے سفید ڈیسک پر نئے طرز کے ڈیکور پیس، فریمز، پین ہولڈر اور ایک فلاسک تھا۔ اس کے لیپ ٹاپ کے لیے ایک جگہ مختص تھی اور ایک پودے کا سفید گملا پڑا تھا۔ ایک jade plant۔

www.novelsclubb.com

پلکیں سکور کر اسے دیکھتے وہ آگے بڑھی اور اس کی پتیاں چھوئیں۔ اس کے بارے میں کچھ عجیب تھا۔۔۔

دو گول خانوں والی الماریاں دیوار میں نصب تھیں جن میں کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ اس نے تیزی سے ان کی جانب لپکتے ان کو کھنگالا۔ سب میتھ، سافٹویئر،

کوڈنگ اور ہیکنگ سے متعلق تھیں۔اسے سب کے نام پہلے سے معلوم تھے اور مصنفین کے نام تک۔اس نے انہیں کھول کر اندر کا مواد جیسے پڑھنے کی کوشش کی۔اس کی آنکھیں متعجب پھیل گئیں۔

اسے وہ سب یاد تھا۔

پائتھن اور جاوا سے متعلق چند باب دیکھتے اس نے اپنے ہاتھ سے ان استعمال شدہ کتابوں میں لکھے الفاظ پڑھے۔اس کی لکھائی صاف تھی مگر چند الفاظ گڈمڈ سے تھے۔پائتھن ایک بہتر کمپیوٹر لینگوئج ہے، بانسبت جاوا کے۔یہ اس کی ایک ذاتی رائے تھی جو اس نے کتاب کے حاشیے میں لکھی ہوئی تھی۔اور بھی ڈھیروں باتیں اس نے خود بیچ میں ٹھونسی ہوئی تھیں۔

اس نے کتابوں پر انگلیاں پھیرتے، انہیں محسوس کرتے دل میں ایک عجیب خیال پایا۔ایک انسیت، ایک دلچسپی۔تب اس کا ہاتھ سٹیو جابز کی اس سوانح عمری پر پڑا اور جیسے دل میں ایک کالک سی سما گئی۔

www.novelsclubb.com

اس نے اسے باہر نکالا اور اپیل کے اس مالک کو گھورا۔ اپنا آپ کبھی اتنا حقیر اور کمتر نہیں محسوس ہوا ہوگا ایمان جاوید کو، جتنا کہ اس وقت۔ وہ کتنی گری ہوئی ہو سکتی تھی جو ایک چھوٹے سے بی بی سی انٹرویو میں اس نے اس کتاب کو سامنے سجا رکھا تھا۔ اپنے آئیڈیل کو یوں کون دکھاتا ہے۔ جیسے نمائش ہو، جیسے ایک publicity stunt۔

دروازے پہ کھٹکھٹاہٹ پر اس نے عجلت میں وہ کتاب واپس رکھی اور گال پر گرا نادیدہ آنسو صاف کیا۔

"میں، اسفندیار ہوں۔ فائنانس ڈیپارٹمنٹ سے۔۔۔؟" اس کی متذبذب آواز آئی۔

"آجائیں۔" شانے چوکور کرتے وہ اپنے ڈیسک تک گئی۔ چال میں غرور لاتے خود کو جیسے کمپوز کرنا چاہا۔ اسفند کے چہرے سے واضح تھا کہ وہ ناکام تھی۔

"کیا کام ہے، آپ کو؟"

"جی، وہ میں۔۔۔" اس نے نیلی شرٹ کا گریبان دن میں گیارہویں مرتبہ درست کیا۔ ایمان سے نظریں ملانا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ وہ سچ کہتی تو ڈائریکٹرز بھی بات کرتے اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ رہے تھے۔ ایسا کیا تھا ایمان جاوید کی آنکھوں کے ساتھ۔

"رکیں۔" ایمان کے کہنے پر اس کی بولتی بند ہوئی۔ "گہرا سانس لیں۔" اسفند نے گہرا سانس لیا۔ "ایک بار پھر لے لیں۔" ایمان نے سخاوت کا مظاہرہ کیا۔

"اب بولیں۔"

اسفند کے رخسار اچھی طرح گلابی پڑ چکے تھے۔ مگر اب وہ پورے جملے بول پا رہا تھا۔

"دراصل آج آپ واپس آئی ہیں۔ میں پوچھنا چاہ رہا تھا کہ آپ ری جوائن کب سے کر رہی ہیں؟"

"عنقریب تو شاید نہیں۔" ایمان کا لہجہ زخمی تھا۔

"اوہ۔" افسوس کا اظہار۔ ہر کوئی اس پہ اتنا افسوس کر چکا تھا کہ اب وہ تھک گئی تھی۔ "کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ڈائریکٹرز کے ساتھ آپ کی میٹنگ کیسی گئی ہے، مس جاوید؟"

"میرے چہرے سے اندازہ تو لگا لیا ہو گا۔ پوچھنے کی اجازت کی بھی کیا ضرورت ہے، وہ بھی تو آپ نے پوچھ لیا ہے۔"

اسفند نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے نگاہیں اپنے پالشڈ جوتوں پر ڈال دیں۔

"یہ لوگ بھی نا۔" وہ اداس سا مسکرایا۔ "مس جاوید، آپ ان کی باتوں پر مت جایئے گا۔ سوال یہ سب کریں گے، الزام یہ سب دھریں گے۔ مگر یہ عادت سے مجبور ہیں۔ مجھے جب بھی یہ ڈانٹا کرتے تھے، آپ کہتی تھیں کہ یہ piranhas ہیں۔ مجھے دیکھ کر کاٹنے کے لیے دوڑنا ان کا کام ہے۔"

اس کے انداز پر ایمان نے پلکیں سکیڑیں۔ اسفند نے فرش پر جوتے کی سول کو رگڑا۔ وہ ابھی بھی کہہ رہا تھا۔

"مجھے امید ہے کہ آپ ان کی باتوں میں آکر یہاں آنا نہیں چھوڑیں گی۔ میں نے بہت سی جگہ جابز کی ہیں اور بہت سے لوگوں کے نیچے کام کیا ہے۔ آپ کے ہاں کام کرتے مجھے پہلی دفعہ لگا تھا کہ میں آپ کے ساتھ اور آپ کے لیے کام کر رہا ہوں، آپ کے نیچے نہیں۔"

وہ اسے خلوص سے یہ سب بتا رہا تھا یا وہ بھی باقی سب کی طرح راز چھپا رہا تھا؟ ایک تو ایمان کے لیے کسی پر بھی یقین کرنا دوبھر تھا۔ گیارہ سال کی بچی اس کے گلے لگتی تھی اور اس کے ذہن میں خنجر کا خیال آتا تھا۔

"آپ کی جھکی ہوئی نظریں تو کچھ اور ہی کہتی ہیں، مگر خیر۔" ایمان نے ڈیسک کے ساتھ کمر ٹکا دی۔

"جی، اب آپ کام کے معاملے میں تو مجھے دوڑانے کی عادی ہیں۔ مگر اتنا چلتا ہے اگر اس کے بدلے میں مجھے صرف سیلری نہیں، عزت بھی ملے۔" ہلکا سا مسکرایا۔

یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے اس سے اتنے اچھے سے بات کی تھی۔اس کی تعریف کی تھی ناکہ بے عزتی۔ایمان کے گلے میں پھندا سا اٹکا۔

"آپ مجھے مس جاوید کیوں کہہ رہے ہیں؟"اس نے ایک غیر اہم بات پہ توجہ دی۔

"کیوں، کوئی آپ کو مس ایمان یا صرف ایمان کہنے کی حماقت کر چکا ہے کیا؟آپ سب کے لیے صرف مس جاوید ہیں۔مجھے اس شخص سے ہمدردی ہے جو آپ کو مس ایمان کہنے کی غلطی کر گیا ہے۔"

وہ اس کی باتوں کو ذہن میں گردش کرنے دے رہی تھی جب دستک کے بعد ایک اور شخص اندر آیا۔

"عون۔عون شمشیر۔"نو وارد نے گلا کھنکھارا۔"آپ کا سیکریٹری۔"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

جہاں اسفند خالی ہاتھ اور فارغ سا لگتا تھا تو عون کلپ بورڈ لیے مصروف، درمیانے قد کا نوجوان تھا۔ اس نے ایمان سے بات کرنے کی اجازت لی پھر اسفند کو گھورا۔

"تمہیں میں نے کہا تھا کہ غلام صاحب نے بلایا ہے۔ سمجھ نہیں آتی؟" اس نے ٹائی درست کرتے کہا۔ دبلا بدن، مگر حلق میں جان بہت تھی۔

"سوری۔" اسفند گڑبڑایا اور ایمان کی جانب دیکھا۔ نظر دوبارہ جھکا دی۔

"سوری۔ چلتا ہوں۔"

اس کے رفو چکر ہونے کی دیر تھی اور ایمان اس عون نامی لڑکے کی جانب گھومی۔

"عون۔۔۔؟" سوالیہ ابرو اٹھایا۔

"شمشیر۔ عون شمشیر۔"

اس نے وہ نام یاد کرنا چاہا۔ یہ تو وہی لڑکا تھا جو صبح سات بجنے میں تین منٹ ہوتے اور اس کا ہر کام کر دیتا تھا۔ جس کے لیے وہ کوئی جلاد قسم کی ملکہ تھی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

''اپنا تعارف کروائیں۔''

''میں عون ہوں۔آپ کا سیکریٹری۔اور۔۔۔''

''نہیں نہیں، یہ نہیں۔'' بے صبری سے کہا۔ایمان کے ذہن میں ایک خیال آیا تھا۔ایک آدھا منصوبہ، ایک ٹوٹے ہوئے شخص کی آخری امید۔''اپنا کام بتائیں۔ آپ کو یہاں کے لوگوں کے بارے میں کیا کچھ معلوم ہے، مسٹر عون؟''

عون نے اپنی خاکی پینٹس پر ہاتھ ملا۔

''ان کے بینک بیلنس، بیرونِ ملک فلیٹس اور خاندانی معاملات کے علاوہ؟'' عون اس کی آنکھوں کے بخار زدہ تاثر کو ایمان سے بہتر جانتا تھا۔اسے جب بھی کوئی سازش سوجھتی تھی تو وہ ایسی ہی دکھتی تھی۔اور عون شمشیر ہمیشہ حاضر۔

''آپ میرے بہت کام آ سکتے ہیں۔''

کچھ دیر بعد وہ آفس سے عون کو فارغ کرتے وہاں سے خود باہر نکل رہی تھی۔اس کے پاس ایک نئ امید تھی، کمزور، سرکش اور کسی حد تک جان لیوا۔ مگر وہ ہار نہیں مان سکتی تھی۔

پرعزم چال، ذہن ایک نقطے پر اٹکا ہوا۔سیاہ بال ہر قدم کے ساتھ لہراتے ہوئی، گہری بھوری سکرٹ کے نیچے سیاہ ہیلز جھلکتی ہوئیں۔سیاہ سفید راہداری میں کھڑے لوگ ایمان جاوید کو راستہ دینے کے لیے بحیرہ احمر کی طرح الگ ہوتے گئے۔

یہ اس کا رعب تھا یا خوف، وہ جاننے کے لیے نہیں رکنے والی تھی۔دل میں بے عزتی کا احساس زندہ تھا اور رگوں میں سرائیت کرتا ہوا۔

وہ گراؤنڈ فلور پر تھی جب اس کا ٹکراؤ ایک لڑکی سے ہوا۔ایک لمحے کے لیے تو اسے ایسے لگا جیسے وہ حقیقتاً پاگل ہے اور اپنے آپ کو دیکھ رہی ہے۔ مگر غور کرنے پہ، سامنے کھڑی لڑکی اس سے کچھ مختلف معلوم ہوئی۔

"آپ کون ہیں؟" وہ جانے کے لیے نہیں ہٹی تو ایمان نے سرسری سا پوچھا۔

"میں نیرہ قبریٰ وسیم ہوں، ایمان۔ تمہیں یاد نہیں؟" ان نیچاد کھانے کے لیے خاص ماپے گئے الفاظ پر ایمان کے اندر ناگواری اٹھی۔ اسے لوگوں کو کتنی بار بتانا پڑے گا جوان کے کند ذہنوں میں یہ بات بیٹھے گی کہ ان کی بے حد ذہین اور قابل ایمان جاوید، ان کی غیر دلچسپ شکلیں بھول چکی تھی؟

وہ متکبر نقوش اور تپانے والی مسکراہٹ لیے لڑکی اس کے پاس آئی اور پھر توقع کے برخلاف اس کے گلے لگ گئی۔ ایمان کے اندر کا چڑچڑا پن انگڑائی لے کر اٹھا تھا۔

مجھے ہاتھ مت لگاؤ۔ کہا نہیں گیا۔

"تم ٹھیک ہو؟" نیرہ کی بناوٹی سی فکر ایمان کو مزید ورغلا رہی تھی۔

"تم' ٹھیک ہو؟" ایمان نے اس سے دور ہوتے الجھن سے کہا۔

”میں تو ٹھیک ہوں۔ مگر تمہیں میں نہیں یاد اس لیے فکر مند ہوں۔“ نیرہ نے لمبے بال شانے سے جھٹکتے جیسے افسوس کیا۔ ”میں تمہاری سب سے اچھی دوست ہوں۔ بیسٹ فرینڈ بلکہ۔“

ایمان نے اپنی خلاء سے نکلی بیسٹ فرینڈ کو سر تا پاؤں دیکھا۔اس کے بال ایمان جیسے سیاہ اور سیدھے تھے، قد اس سے تھوڑا چھوٹا مگر انداز، غرور، سب ایمان جیسا تھا۔ کپڑے بھی، بس سکرٹ کے رنگوں میں فرق تھا۔بیسٹ فرینڈ کے بجائے کاپی کیٹ یا clone کہنا بہتر رہے گا، ایمان نے سوچا۔

”نہیں، مجھے تم نہیں یاد۔“ اس نے پیر آگے بڑھائے۔ آفس کے تمام ورکرز تماشائیوں کی مانند کھڑے تھے۔

”تمہارا ڈیپارٹمنٹ کونسا ہے؟“ کم از کم کوئی معلومات ہی مل جائے۔

”میں مارکٹنگ میں کام کرتی ہوں۔“ نیرہ نے پلکیں جھپکاتے کہا۔

کتنی عجیب دوست تھی یہ جو ایمان سے ہسپتال میں ملنے تک نہیں آئی تھی جبکہ وہ کومہ میں ایک پورا ہفتہ رہی تھی۔ نیرہ وسیم کا نمبر تھا اس کے پاس۔ وہ سوشل میڈیا کے اس ہیش ٹیگ پر بھی خاموش رہی تھی۔ وہ فضول سا، ”میڈوسا آگ میں ہے“ والا ہیش ٹیگ۔ اسے یاد کرتے ایمان کا پورا جسم کڑواہٹ میں ڈوب گیا۔

”ایک بات بتاؤ، ایمان۔“ وہ نیرہ کے انداز پہ چونکی۔ ”اتنا مشہور ہو کر کیسا لگ رہا ہے؟“

ایمان کی آنکھیں پھیلیں۔ پھر سے نہیں!

”کیا مطلب؟ میں پیدائشی مشہور و معروف نہیں ہوں؟“

آفس کے لوگوں کی اٹھی بھنویں اور متحیر تاثرات دوبارہ دیکھنے کے لیے ایمان ایسے تین چار اور جملے بولنا چاہتی تھی۔ لوگ چپ کتنے اچھے لگتے تھے۔

"یہ بھی سچ ہے۔ سونے کا چمچ لے کر پیدا ہونے والے سب ہی ایسا کہہ سکتے ہیں۔"

نیرہ کے اس جملے پر کئی لوگوں کی تائیدی گردنیں اٹھیں۔

"سونے کا ہو یا چاندی کا، چمچ چمچ ہوتا ہے۔ ہمیشہ منہ میں ڈالنے والا سر پہ نہیں رہتا۔" ایمان کا انداز مدافعانہ ہو کر بھی باوقار تھا۔ کچھ تو پرانی ایمان نے اس کے ذہن کو اچھے سے یاد کروایا تھا۔

"یہ بات بھی ٹھیک ہے۔" نیرہ نے ایک آدھ ساتھ چلتی ور کر سے طنزیہ نگاہ ملائی جو جھینپ کر ہنس دی۔ ایمان کے ہاتھ مٹھیوں میں بھینچ گئے۔ "آپ کو اپنا شاہی لقب بھی مبارک ہو، محترم میڈوسا۔"

کسی لڑکے نے سیٹی بجائی تھی اور کسی لڑکی نے تالی۔ ایمان بتا نہیں سکتی تھی مگر لابی میں کھڑا تقریباً ہر فرد باری باری تالیاں بجانے لگا اور پھر اس میں سب شامل تھے۔

نیرہ وسیم کے لیے۔

استہزائیہ ہنس رہے تھے۔

www.novelsclubb.com

ایمان جاوید پر۔

نیرہ نے کلائی پہ بندھی گھڑی پہ وقت دیکھا اور کافی مشین کی جانب بڑھتی، اس سارے تماشے سے یکسر بے نیاز، لاریب سے نگاہ ملائی۔ طنزیہ نگاہ جس پہ لاریب نے پر سکون بے فکری سے شانہ اچکا دیا۔

"ہم محنت کرنے والے لوگ ہیں، ایمان صاحبہ۔ ہمیں کوئی انٹرویوز اور سیمینارز کے لیے نہیں پوچھتا کیونکہ ہم بیک گراؤنڈ میں کام کرنے والے، اصل کام کرنے والے لوگ ہیں۔ ہمارا کوئی امیر باپ یا بڑی زمین جائیداد نہیں ہے۔ ہمارے پاس اصلی ڈگریز، تجربہ، سندیں اور ہنر ہے۔" نیرہ کی آنکھوں میں نفرت تھی۔ ایمان نے سب کے چہرے دیکھے مگر اسے صرف ایک چیز نظر آئی۔ ایک متحد، متفق اور باہمی نفرت۔ "ہم منہ میں کوئی بھی چمچ لیے بغیر پیدا ہونے والے لوگ ہیں۔ ہمیں شہرت کی خواہش یا ضرورت نہیں۔ خاص طور سے اگر وہ انسان کو کرمانی ڈیولپرز کی کامیاب سی ای او سے، ایک چڑیل کا لقب دلوا دے۔"

ایمان کے رخسار سرخ پڑ رہے تھے۔زبان مقفل اور ساکت تھی۔کہنے کو لبوں پہ بہت کچھ آتا مگر نکلتا کچھ بھی نہیں۔تب اسے احساس ہوا کہ کہنے کو کچھ بھی نہیں تھا۔نیرہ سچ کہہ رہی تھی۔

لاریب کا دل اس ساری بکواس سے اچاٹ ہو گیا تھا۔نیرہ نے اپنی جرأت دکھانی تھی،دکھادی تھی۔مگر ایسے ایمان کو تنہا کھڑے دیکھ کر لاریب کو غصہ سا آیا تھا۔وہ لڑکی واقعی جواب دینا بھول گئی تھی۔ان لوگوں کو بھول گئی تھی۔اپنی بہترین دوست کی اصلیت بھول گئی تھی۔

مگر ایمان کو اس مصیبت سے نکالنے والی لاریب نہیں تھی۔

www.novelsclubb.com

عون کانپتے،طیش سے کانپتے ہاتھوں میں کلپ بورڈ اور ایک ایمپلائی سے چھینا گیا فون پکڑے سب کو دھکا دیتے اس بڑے دائرے کے بیچ آ کھڑا ہوا جہاں ایمان اس وقت محورِ نگاہِ نفرت تھی۔پھر وہ چلانا شروع ہوا۔

”بہت ہو گیا!“ نیرہ سمیت کئی لوگوں نے چھ چھ قدم پیچھے لیے۔ ”میں صبح چھ بجے یہاں آتا ہوں۔ صبح چھ بجے جب آپ لوگوں کی آنکھیں بھی نہیں کھلی ہوتیں۔ میں یہاں کام کرنے آتا ہوں اور مجھے باقی لوگوں کو ان کے کام یاد دلانے پڑتے ہیں۔“ اس نے بالوں میں اتنی بار ہاتھ پھیرا کہ وہ خراب ہو گئے۔ فون ہوا میں لہرایا۔ ”یہ تو میرا کام بھی نہیں ہے۔ میں مس جاوید کا سیکریٹری ہوں، آپ سب کا الارم تو نہیں۔ اور یہ کوئی کالج ہے جہاں پہ ویڈیوز بنا کر، اپنی ہی سی ای او کی ویڈیوز بنا کر اپلوڈ کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں؟“ آنکھوں میں شدت تھی، برہمی، دھوکہ کھا جانے پر مایوسی۔ ”میری بات کی سمجھ نہیں آتی تو آرام سے بتاتا ہوں۔ اپنے اپنے کام پر۔“ کھا جانے والے انداز میں زور دیا۔ ”دفع ہو جایئے۔“

ہجوم منتشر ہوا، تماشہ ختم، میٹنگ برخاست۔ آخر میں عون، اسفند، لاریب اور نیرہ وہاں کھڑے تھے۔ ایمان جاوید کے شل وجود کو دیکھتے ہوئے۔ اتنا بولنے کے بعد اب جب نیرہ اس لڑکی کو اپنے سامنے اپنی پوری حقیقت کے ساتھ کھڑے دیکھ

www.novelsclubb.com

رہی تھی تو لاریب پر خود کو ثابت کرنے کا جنون ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ مگر ایمان نے ہر چیز دیکھی تھی۔ لاریب بھی اس کی نظر میں اتنی ہی مجرم تھی جتنی وہ صدائے حق بلند کرنے والی نیرہ۔

کافی مشین سے کافی لیے لاریب شر جیل دوسرے ہاتھ میں فون پر انگلیاں چلاتے وہاں سے گزر رہی تھی جب اس کی نظر ایمان سے ملی۔ ایمان کی آنکھوں میں جانے ایسا کیا تھا کہ لاریب اپنی جگہ منجمد رہ گئی۔ مگر ایمان اس پر ایک کاٹ دار نگاہ ڈال کر سیڑھیاں اترنے لگی۔ نیرہ کو جاتے ہوئے زور سے کندھا مارنے سے وہ خود کو نہیں روک پائی تھی۔

www.novelsclubb.com

نیرہ جیسے اس سے مزید لڑتی پر عون کی گھوری پہ وہ وہاں سے چلتی بنی۔ اسفند ملال سے ایمان کی خالی چھوڑی جگہ دیکھ رہا تھا پھر "جاتا ہوں، جاتا ہوں۔" کہتا عون شمشیر کے راستے سے ہٹ گیا۔ لوگ اس کمزور وجود کو کتنا کم سمجھتے تھے۔

یہ ایک معجزہ ہی تھا کہ ایمان دوبارہ کسی رکاوٹ سے ملے بغیر پارکنگ لاٹ تک پہنچ گئی تھی جو اس وقت خالی تھا۔اس نے اپنے گارڈز کو چکمہ دیا تھا، کام آسان تھا، بس اپنا سفید سویٹر اتار کر لیڈیز روم (باتھروم) کے اندر چھوڑ آنا اور ایک دوسری ایمپلائی کے ساتھ چہرہ جھکائے باہر نکلنا۔

اس نے ایک نگاہ اپنی مرسیڈیز کے پاس کھڑے ہوتے اس بلند شیشے کی چمکتی عمارت پر ڈالی۔ بادلوں کے درمیان سے سرخ اور نارنجی کرنوں میں ڈوبا ہوا۔وہ سنہرا 'کے ڈی' سب سے اوپری فلور کے شیشوں پر بڑا سا لگا بوندا باندی میں گیلا پڑ گیا تھا۔

www.novelsclubb.com

ایمان کے کپڑے بھی ہلکے ہلکے بھیگ رہے تھے اس لیے وہ کار کا دروازہ کھولنے لگی۔ پھر یاد آیا کہ ملائکہ کو بھی ساتھ لے کر جانا تھا۔اس نے فون جیب سے نکالا اور اسے کال کرنے کی نیت سے اس کی سکرین آن کی۔

تب سائیڈ ویو مرر میں اسے اپنے پیچھے ہلچل دکھائی دی۔ کہیں قریب۔ اس نے تیزی سے گھوم کر دیکھا، بھوری سکرٹ اس کے ساتھ لہرائی تھی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ مگر کسی کو تو ہونا چاہیے تھا۔

جبڑے بھینچے اس نے فون واپس سکرٹ کی جیب میں ڈالا اور گاڑیوں کے درمیان ہیلز کے ساتھ ہی مزید ایڑھیاں اونچی کرتے کھوج شروع کی۔ برہم اور پر یقین انداز میں آگے بڑھی۔ تب اسے کے ڈی کے ساتھ والی ایک عمارت کے درمیان گلی میں جاتا وہ دکھائی دیا۔

سیاہ ہڈ چڑھائے، ٹراؤزرز میں ملبوس شخص جو اندھیرے اور لوگوں کے رش میں کھونے کی سعی کر رہا تھا۔

اس کا سٹاکر۔

''آج اسے میں سکھاؤں گی کہ کسی کو سٹاک کیسے کیا جاتا ہے۔'' بالوں پر پھونک مار کر انہیں اپنے چہرے سے سرکایا۔

پھر کسی عقل و فہم والے نارمل انسان کی طرح، ایمان جاوید لو بوٹانز میں گیلی زمین پر اپنے تعاقب کار کے تعاقب میں لپکی تھی۔

***

"بیٹھ جاؤ۔"

وال کلاک پہ وقت تھا شام کے چار بج کر انچاس منٹ۔

"میں یہاں کبھی بیٹھنے کے لیے نہیں آتی، باس۔" حیا نے کسی فوجی کے سے انداز میں کہا۔

وہ طٰہ کے آفس میں کھڑی تھی، جیسے اسے ہر چند دن بعد یہاں آجانا پڑتا تھا۔ اسے اپنی اٹلی کی ویکیشن کے ختم ہونے کا غصہ ابھی تک تھا مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ان لاہوریوں نے اس کے بغیر ایک دوسرے کو آگ لگا دینی تھی اور ایسے موقع پر

www.novelsclubb.com

عدنان نے بھی صرف پاپ کارن کھانا تھا۔اس لیے، حیامار یہ کو اپنا پسندیدہ Opera چھوڑ کر یہاں واپس آنا پڑا تھا۔

”میں بیٹھتا ہوں تو میرا مقابل بھی ہمیشہ بیٹھا ہوتا ہے۔“ طٰہ نے کرسی کی جانب اشارہ کیا۔

وہ اپنی سیاہ میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔فرش اس کے برعکس سفید تھا، مگر حیا کے بر فیلے بالوں جیسا نہیں۔اس کا ہاتھ اپنی میگنم پہ جاتے جاتے رکا۔وہ انہیں قتل نہیں کر سکتی تھی۔اس نے یہ کام چھوڑ دیے تھے۔

وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

”گن بھی۔سامنے رکھو۔“ طٰہ کا انداز سادہ ہو کر بھی تحکمانہ تھا۔

حیا نے دانت کچکچاتے ریوالور میز پر دونوں کے بیچ رکھ دی۔

www.novelsclubb.com

"تو بتاؤ، تمہیں کیا معلوم ہوا ہے؟" طٰہ کی شفیق مسکراہٹ لوٹ آئی تھی۔ وہ دنیا کے واحد انسان تھے جو حیا کو اپنے پچھلے باس کے منظر سے غائب ہو جانے کے بعد ڈرایا کرتے تھے۔ ایک وہ شخص تھا اور اب طٰہ۔ طٰہ ابرار chameleon کے طور پر ایسے ہی تو مشہور نہیں تھے۔ ایک لمحے مسکرتے ہوئے ہشاش بشاش تو دوسرے لمحے ایک بے قصور کو قصوروار ثابت کرتے جلاد۔ مگر حیا ان سے اتنا بھی نہیں ڈرتی تھی۔

"یہی کہ میں اب مزید آپ کے لیے کام نہیں کرنا چاہتی۔" سپاٹ تاثرات برقرار رکھنا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

"کیوں؟ سیلری میں کمی ہے یا کام پسند نہیں؟ باس تو میں بہت اچھا ہوں۔" طٰہ نے اپنے تھرماس میں سے چائے ایک کپ میں انڈیلی۔ پھر اٹھے اور اپنی الماری سے ایک اور کپ برآمد کرتے حیا کو بھی چائے پیش کی۔ انہیں اچھے سے معلوم تھا کہ وہ چائے نہیں پیتی تھی۔

حیا خفگی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ مجھے ہر بات سے آگاہ نہیں کرتے۔آپ کا بھائی ایک انتہائی فضول انسان ہے۔عدنان کو شوٹ کرنے سے مجھے خود کو دن میں دس بار روکنا پڑتا ہے۔آخر یہ کیسی سزا ہے؟"اس نے جھلاتے ہوئے طٰہ کی میز کو ٹھوکر ماری۔"میرا کام آسان نہیں ہے اور مجھے اگر وہ مزید کرتے رہنا ہے تو میرے پاس کوئی ٹھوس وجہ ہونی چاہیے۔ایسے کیسے آپ مجھے اتنے غیر قانونی کام دے کر خود بری الزمہ ہو سکتے ہیں؟"

اس کی انگلیاں اپنی میگنم تک پہنچتے پہنچتے رکیں۔سات بج چکے تھے۔قابو رکھو خود پہ،حیانے خود کو یاد دلایا۔تم پہلے جیسی نہیں رہیں۔

"دنیا میں سب سے زیادہ غیر قانونی کام ہم لائرز ہی کرتے ہیں۔"طٰہ کی شفیق آواز میں ایک سیاہ پن تھا۔

"لیکن اس سب کا عذاب میں بھگتوں گی۔"وہ سخت کوفت زدہ تھی۔

"نہیں، ایسا نہیں ہو گا۔ میرے کیے کا عذاب میرا ہے جیسے تمہارے کیے کا تمہارا۔ اور تم مجبور ہو، خدا یہ بات نظر انداز نہیں کرتا۔" وہ واپس اپنی جگہ بیٹھ گئے اور اسے بھی ایک نگاہ میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ حیا اس دفعہ نہیں بیٹھی۔

"میرے بہت سے ایسے گناہ ہیں جو میرے اپنے ہیں اور ان کا الزام آپ یا کوئی اور نہیں لے سکتا۔ دنیا میں نہ آخرت میں۔" چہرے پر ایک زخمی سا تاثر ابھر کر معدوم ہو گیا۔ "اور میں اسے دھوکہ نہیں دینا چاہتی۔ اس کا اعتبار مسخ کرنا۔۔۔"

"تمہیں دنیا اور آخرت پر یقین ہے؟" طٰہٰ کا سوال سرسری سا تھا، انداز نہیں۔ دھوکے والی بات نظر انداز کر دی۔

"کیا آپ کو نہیں ہے؟" حیا کی نظریں آہنی تھیں۔

"لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے۔" طٰہٰ نے فیض کے الفاظ دہرائے۔ "سوال تو یہ ہے کہ کیا تمہیں قیامت کے دن پر یقین ہے؟"

www.novelsclubb.com

وہ چند لمحے چپ رہی۔ گھڑی کی سوئیاں چلتی رہیں۔ پانچ بج کر دس منٹ ہو رہے تھے۔ ہیٹر کی گرماہٹ سارے میں تھی، مگر اس کا دل۔ وہ بھی شاید برف تھا۔

"قیامت کے دن پر ہے، انصاف کے دن پر نہیں۔"

***

ایمان جاوید اتنی عقلمند اور فیاض تھی، کہ تم اسے برستے بادلوں اور ٹریفک کے بیچ ایک آدمی کا پیچھا کرتے دیکھ سکتے تھے۔

مسئلہ دیوانگی کا نہیں تھا، وہ تو شریفوں میں بھی ہوتی ہے۔ مسئلہ اس بے عزتی کے احساس کا تھا، وہ شرمساری، اپنی خودداری کے روندے جانے کا ملال۔ سب سے بڑھ کر، مسئلہ اس کی زبان کا تھا، جو تنقید، بدتمیزانہ تنقید، کے آگے ایسے ساتھ چھوڑ گئی تھی جیسے پانی صحرا کا۔

وہ بھاگ رہی تھی، ہیلز جو سائیڈ واک کے گیلے کھڈوں میں بھی نہیں پھسلتی تھیں۔ایسے جیسے ان میں وہ اولمپکس تک کھیل سکتی ہو۔

ایک خریداری کرتی امیر عورت کے کندھا لگنے پر پرے ہوتے، ایک بوڑھے سے ٹکراتے ٹکراتے بچتے اور چند چھوٹے بچوں کے درمیان سے راہ نکالتے، وہ اس شخص کو دیکھ سکتی تھی جس کے پیچھے وہ بھاگتی ہوئی آئی تھی۔ایک دراز قد، سیاہ کپڑوں میں ملبوس آدمی جو اتنا تیز تھا کہ ایمان کا سانس پھولتا مگر اتنا آہستہ کہ وہ اس کا پیچھا کر سکتی۔ایسے جیسے وہ اسے کہیں لے جا رہا ہو اور وہ جانتے ہوئے بھی اپنے طیش، ناکامی، احساسِ زیاں و کمتری اور ہر شرمسار کرتے جذبے سے توانائی نچوڑتے، اس کا تعاقب کر رہی تھی۔

وہ سڑک عبور کرنے والی تھی جب سبز بتی پر ٹریفک چل پڑی اور نظروں کے سرخ پردے کے پار وہ اس شخص کو آگے غائب ہوتے دیکھتی گئی۔

وہ ایمان پاگل جاوید تھی۔

www.novelsclubb.com

وہ بیچ راستے میں ہار ماننے والی نہیں تھی۔

وہ کے ڈی سے کئی دور آچکی تھی۔اتنا دور کہ اب یہاں بلند بزنس سیکٹر کی عمارتوں کے بجائے مالز، ریستوران اور ہائی کلاس کیفز اور بیکریز کھڑی تھیں۔

سرخ بتی جلتے ہی اس نے زیبرا کراسنگ پر دوبارہ دوڑ لگا دی اور وہ یہ سوچنے کے بھی حواسوں میں نہیں تھی کہ اپنی لمبی بھوری سکرٹ میں بھاگتے وہ ٹھوکر کھا کر گر سکتی تھی یا کوئی بھی شخص بلکہ بدتر، ٹریفک پولیس والا اسے یوں جاتا دیکھ کر روک سکتا تھا۔

روک کر دکھائے کوئی مجھے۔انگارے جیسا خیال۔

وہ ایک شکاری تھی، یونانی دیوی آرٹیمس کی طرح اور اپنے شکار کا پیچھا کر رہی تھی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

وہ ایک بھیانک چیز تھی۔ جس کی آنکھوں سے لوگ ڈرتے تھے، جسے کوئی پسند نہیں کرتا تھا، جس سے لوگ جواب طلب کرتے تھے جیسے وہ ان کی مالکن نہیں ملازمہ تھی۔ مگر اس لمحے وہ میڈوسا سے زیادہ آرٹیمس تھی۔

اس کی ہیلز سیاہ سڑک پر زور سے لگتی تھیں۔ بال کنپٹی سے چپک رہے تھے، لب بھینچے ہوئے سرد تھے، اور آنکھیں اپنے نشانے پر۔ اس ہدف پہ جسے وہ چھوڑنے نہیں والی تھی۔ یہ ایک تیر نہیں تھا جسے چلانے پر نشانہ چوکنے کا کوئی امکان ہوتا۔

وہ ایمان جاوید تھی۔ وہ آرٹیمس تھی اور میڈوسا بھی۔ وہ ان سب بھیانک داستانوں کا امتزاج تھی جن سے لوگ راتوں کو ڈرا کرتے تھے۔ وہ ایک بھیانک حیوان تھی جو خون کی مہک کا پیچھا کر رہا ہو۔ جو اس کی آہنی خوشبو اور تیز ذائقے کو زبان پر چکھے بغیر آرام نہ کر سکتا ہو۔

وہ ایمان جاوید کرمانی تھی۔

ایک خطرناک عورت۔

ایک بھاینک خواب۔

ایک مہان شکاری۔

وہ ایک بڑے بوتیق کے سامنے سے ٹک ٹک کرتے دوڑ رہی تھی۔ بارش کے قطرے گر رہے تھے، ان کی بوندوں کا تیز شور سماعت سے ٹکراتا اور ایمان جاوید بھاگ رہی تھی، اس کا مفلر ڈھیلا ہو کر اس کے پیچھے لہراتا، سکرٹ میلی ہوتی، نشانہ صرف ایک شخص۔

وہ ایک بڑی بیکری کے بڑے گلاس ونڈوز کے سامنے سے گزری۔ اس کا عکس اپنی برق رفتاری میں گڈمڈ ہوتا دھندلا سا دکھتا۔ کئی سٹورز سے گزرتے وہ اس بڑے فیشن ہاؤس تک پہنچی۔

کئی بوتیق ایک قطار میں کھڑے تھے۔ ایک کافی بڑا اس کی نظر کھینچتا ہوا جس سے چاندی قمقموں اور سرخ رنگ کی جھلملاہٹ اٹھتی۔

پتلوں پر لگے قرمزی اور سنہری ڈیزائنر ڈریسز، ڈھیروں چاندنی جیسے چمکتے اور مزید سرخ۔

ایک سیکنڈ کے لیے وہ تھمی اور خود کو اس وسیع فیشن ہاؤس کی بلند کھڑکیوں کے سامنے دیکھا۔ خود سے دور بازو، پھولتی سانسیں، پر عزم انداز۔ اس کا عکس ایسا تھا جیسے کوئی پاگل پن کی حدوں کو چھوتا انسان ہو، desperate، جس کے پاس کھونے کے لیے کچھ نہ ہو۔ تب نگاہ میں وہ آدمی ایک اور گلی کی جانب مڑتا دکھا تو وہ اس کے پیچھے لپکی۔

اب سب ایک فلم جیسا تھا۔ کیسے تم ایک کونے پر مڑتے ہو اور خود کو ایک اندھیر ویران گلی میں پاتے ہو۔ جہاں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہو سوائے پیچھے کا۔ ایک بند گلی۔ مگر تب، اور یہ مذاق جان بوجھ کر کیا جا رہا ہے، تم ہر طرف سے جال میں پھانس لیے جاتے ہو۔

جتنے عقلمندانہ فیصلے تم نے ایمان جاوید کو لیتے دیکھا تھا، یہ ان میں سب سے انوکھا تھا۔ تم غلط نہیں سوچ رہے، وہ آگے بڑھ کر گلی میں ہی مڑی تھی۔

***

ملائکہ ایمان کے آفس میں کھڑی فون سکرین پر بے صبری سے چھوٹے کٹے صاف ناخنوں والی انگلیاں دبا رہی تھی۔ شاندار کھڑکیوں سے پارک کا وسیع منظر اور سبزی مائل گہرا نیلا آسمان دکھائی دیتا تھا۔ جو اس لمحے بارش میں مسلسل بھیگ رہا تھا۔

ابرار صاحب کو دسویں مرتبہ فون کھڑکایا۔

"آپ کا مطلوبہ نمبر اس وقت بند جا رہا ہے۔ برائے مہربانی۔۔۔"

برہمی سے بھوری چوٹی کھینچتے اس نے ایک اور کال ملائی۔ زیب کو۔

www.novelsclubb.com

"آپ کا مطلوبہ نمبر اس وقت بند۔۔۔"

مومن کو۔

"آپ کا مطلوبہ نمبر۔۔۔"

"اُف ہے۔" ہوا میں ہاتھ جھلائے۔ "اس لیے مردوں پر اعتبار نہیں کرتے۔
سب ضرورت کے وقت مر جاتے ہیں۔"

اس نے ڈیسک پر ہاتھ رکھتے چھت کو دیکھا۔ آنکھیں زور سے بھینچ لیں۔ پھر کھول کر ایک اور نمبر ڈائل کیا۔ ایک آخری امید۔

www.novelsclubb.com

ارتضیٰ اسجد۔

"آپ کا مطلوبہ نمبر اس وقت مصروف جا رہا ہے۔۔۔"

ملائکہ نے سر کی پشت پیچھے لگی بک شیلف کے ساتھ بے بسی سے ٹکا دی۔

"تم کس دن سے مصروف رہنے لگ گئے ہو؟"

اس نے اپنے سب کانٹیکٹس کھنگالے۔فرانس کی شیری، کینیڈا کی دانین، انگلینڈ کی میا۔اپنے پاکستان کے مختلف شہروں، کراچی، پشاور، کوئیٹہ، بہاول پور وغیرہ کی دوستیں۔لاہور میں کوئی نہیں۔

ایک بھی نہیں۔

اسے لگا اس کا حلق گھٹ جاتا تھا۔وہ اتنی تنہا کب سے ہو گئی تھی کہ وہ دنیا کے کسی شہر میں ہو اور اسے کوئی کام کا دوست نہ مل جائے؟ تنہا۔۔۔

اس کی مضطرب ہلچل رکی۔اس نے 'ایچ' کی لسٹ میں نمبر ڈھونڈے۔یہاں نہیں مل رہا تھا۔کیوں نہیں مل رہا تھا؟ اس لڑکے کا نمبر اس نے مجبوراً سہی، مگر اپنے پاس محفوظ رکھا تھا۔کدھر، کدھر۔۔۔

وہ ایچ میں نہیں، اے میں تھا۔

Abandoned 2.0.

"آف کورس!"

صرف ایک ہی تو انسان تھا جس کے دنیا بھر میں دوست تھے مگر دن کے آخر میں، جب سورج غروب ہونے لگتا تھا، تو وہ گھر اکیلے جایا کرتا تھا۔ تنہا۔ بالکل ملائکہ جاوید کی طرح۔

"آپ کے مطلوبہ نمبر سے اس وقت رابطہ ممکن نہیں۔ برائے مہربانی دوبارہ کبھی کوشش مت کیجیے گا۔"

لحظے بھر کے لیے ملائکہ نے ایمان کی بیش قیمت ریاضی اور بزنس اور الگورتھم اور کوڈنگ کی کتابیں ایک ایک کر کے اس شاندار ویو والی کھڑکیوں پردے مارنے کے بارے میں سوچا تھا۔ پھر احساس ہوا کہ یہ بد تہذیب جملہ، اس ڈھیٹ کال والی عورت کا نہیں، بلکہ ایک فرنچ اور اردو کی آمیزش رکھتے لہجے والے ایک لڑکے کا تھا۔

"فائنلی کسی نے میرا فون اٹھایا۔" اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے اپنی چوٹی کا دسویں مرتبہ ستیاناس کیا۔

"واؤ، تو کوئی میری طرح اگنور کیے جانے کا تجربہ کر رہا ہے۔ کیسا محسوس ہوتا ہے، ملائکہ؟ ایک بے بسی اور پریشانی بھرا غصہ؟ مسکراہٹ میں گھلتا زہر؟ یا جب فون اٹھالیا جائے تو فرسٹریشن اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اطمینان تک نہیں بیٹھتا؟"

اتنے گہرے تجزیے کی اسے امید نہیں تھی۔

"تمہیں کتاب لکھنی چاہیے، حمزہ۔ اتنی مشکل اردو لغت میں نے پہلے کبھی نہیں سنی۔" وہ ایک سفید کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

حمزہ اور نگزیب کی ہنسی دھیمے سروں میں ابھری۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"مجھ پر اتنا برا وقت نہیں آیا کہ میں راتیں جاگ کر کہانیاں لکھا کروں، جب مجھے معلوم ہے کہ جیسا انسان میں ہوں، میرے کردار کسی مکافاتِ عمل کی طرح مجھے ستائیں گے۔" اس کے پیچھے موسیقی کی آواز تھی۔۔۔

جان باقی ہو مگر۔۔۔

سانس رکی ہو جیسے۔۔۔

"تمہارے سانس کو کیا مسئلہ ہوا ہے؟" ملائکہ اصل موضوع بھولتے کسی اور کی زندگی کے بارے میں متجسس ہو چکی تھی۔ ایک پرانی عادت، ایک بری عادت۔

اس نے آخر حمزہ کو فون ہی کیوں کیا تھا؟

جگجیت سنگھ کی آواز ایک دم بند ہو گئی۔

"کچھ نہیں، ویسے ہی پیچھے کسی نے چلار کھا ہے۔" وہ ہڑبڑا کر جواب دے رہا تھا، جیسے وہ کوئی ولن ہو جو قتل کرتے ہوئے کلاسک گانے سنتا ہو اور ایک دم پکڑے جانے پر گھبرا گیا ہو۔

ولن۔۔۔اوہ، ہاں!

"حمزہ، میری مومن بھائی سے بات کرواؤ۔ یا چشمش سے، اگر وہ یہیں ہے۔" وہ ارتضیٰ کو اس کے منہ پر چشمش کہنے کی حماقت نہیں کر سکتی تھی مگر باقی دنیا میں اس نے اپنے کزن کو ایسے ہی مشہور کر رکھا تھا۔ اگرچہ وہ جانتا۔۔۔

"کیوں؟ وہ دونوں ابھی میرے ساتھ نہیں ہیں۔ کوئی بات ہے تو مجھ سے کہہ دو۔ میں اسے کہیں فارورڈ نہیں کروں گا، پکا وعدہ۔" ایک سفید جھوٹ۔ وہ کار میں ارتضیٰ کے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔

ایسے جیسے ملائکہ اس کی خصلت سے واقف نہیں تھی۔اسے سکول میں پچھتا کر سبق حاصل کرنا پڑا تھا۔حمزہ اور نگزیب بھروسے کے قابل نہیں تھا۔اور اس کی اسی عادت پر بھروسہ کرتے اس نے جلدی میں بات شروع کی۔

"سپیکر آن کرواور اسے سناؤ۔اگر اس کے منہ پر 'دی ارتضیٰ لوک' آتا ہے، تو اسے کہو کہ گاڑی سے باہر ٹھنڈ میں کود جائے۔ گرم سے گرم موڈ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔"

کوئی پچھلا حساب برابر کرنے پر فاتحانہ مسکرائی۔پھر آواز یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔

"میں نے ہر ایک سے پتہ کروایا ہے۔پیون سے لے کر اس چڑیل نیرہ تک، سب سے۔کسی نے اسے پچھلے ڈیڑھ گھنٹے میں کے ڈی کے اندر نہیں دیکھا۔عون کہہ رہا ہے کہ وہ سٹئیر کیس سے نیچے گئی تھی۔ان خطرناک ہیلز سے پھسل کر مرنے کے جتنے چانسز تھے، میں نے ایک ایک زینے کو تلاش کر کے انہیں رد کر دیا ہے۔وہ زندہ ہے مگر آفس میں نہیں۔"

ارتضیٰ کی گھمبیر آواز نے ملائکہ کی سماعت کو چھوا۔

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"اس کی کار یہیں ہے؟"

چونکنا نہیں چاہیے تھا مگر وہ چونک گئی۔ ارتضیٰ کی آواز بھاری تھی لیکن بہت بھاری نہیں۔ سنجیدہ، میکانکی اور مصروف۔ پرسکون ایسے جیسے ابھی کسی کا گردہ بیچ کر آیا ہو اور کسی دوسرے کو وینٹیلیٹر پر پہنچا کر اور اب سکون سے کتاب پڑھنے لگا ہو۔

"ہاں۔" ملائکہ نے تھوڑا دیر سے جواب دیا۔

"اور اس کے گارڈز؟"

"نہیں بھی وہ چکر دے کر نکل گئی ہے۔ سیریسلی، مجھے اس پہ یقین نہیں آتا! اف، مجھے اس پہ یقین نہیں آتا۔"

ارتضیٰ یہ سنتے ہوئے گئیر بدلنے لگا۔ ملائکہ کی بہن کبھی جوان کی زندگی میں کسی اچھی خبر کی وجہ ہو۔

حمزہ کا پرجوش، لطف لیتا لہجہ سنائی دیا۔

www.novelsclubb.com

”تو یعنی ایک آگ، ایک قتل کے کیس، ایک حادثے میں یادداشت کھو دینے اور سب کو اجنبی جان کر رد کر دینے کے بعد، اب ایمان جاوید۔۔۔“

”لا پتہ ہے۔“ ملائکہ نے پورا کیا۔

***

بارش اب تیز ہو چکی تھی۔ یہ ایک پوش قدرے خالی علاقہ تھا۔ ویران سڑک کے اطراف میں بلند درختوں کی فصیل تھی جس کے پیچھے یقیناً اُن امراء کے گھر تھے جو پاکستان میں صرف زمین خرید کر اپنے نام کرتے تھے۔ اسے استعمال میں لانے کے عادی نہیں۔

سڑک کے ایک طرف سائیڈ واک تھی۔ جگہ خالی تھی،اور دور کھڑے بس سٹاپ کی اوپری چھت سے پانی کا دریا بہہ رہا تھا۔ اگر بارش سکوت کو جگہ دیتی تو چند اور قطروں کی ٹپ ٹپ بھی سنائی دیتی۔

وہ سڑک کنارے چل رہی تھی۔ اپنے پیچھے ایک لمبا سرخ راستہ چھوڑتے ہوئے۔

سیاہ بلاؤز اور بھوری سکرٹ بھیگ چکی تھی۔ ایک ہاتھ سینے پہ لپٹا تھا۔ دوسرا دائیں جانب گرا رکھا تھا۔ گلا مفلر سے خالی تھا۔ بال گیلی لٹوں میں کپڑوں کے ساتھ لگے ہوئے تھے، جیسے سانپ ہوں۔ سیاہ، مگر مردہ۔

نتھنوں میں نم گھاس اور ٹھنڈی ہوا کی چھبتی مہک تھی۔ سینے میں ایک سنسان ویرانے جیسا اندھیرا، جیسے دنیا کا ہر سایہ اس نے اپنے اندر سمو لیا ہو۔ سرمئی آنکھیں کانچ جیسی دکھتی تھیں۔ ٹوٹ کر زخمی کر دینے والیں۔

آگے چلتے اسے ویسے ہی سیاہ دیواریں دکھائی دیں، جیسے تین دن پہلے جب وہ ابرار منزل کی تلاشی لے رہی تھی۔۔۔

کوئی اسے کچھ بتانے کے لیے تیار نہیں تھا۔وہ کرید نے سے تھک کر اپنی مدد آپ پر آگئی تھی۔ابرار منزل میں تب اسے ایک کمرہ ملا تھا۔

سیاہ دیواروں والا صاف ستھرا کمرہ، شاید نیا نیا کھلا تھا۔سامان ہر باریکی کا خیال رکھتے اپنی اپنی جگہ پر موجود تھا۔ایک ڈبل بیڈ،ایک بڑی درازوں والی الماری اور اس پر رکھا سامان۔چند ڈبے اور ایک ادھ کھلا خالی بیگ۔

یہ دیکھتے کہ وہ کمرہ استعمال میں تھا وہ باہر نکلنے لگی مگر تب اس کی نظر سائیڈ میز پہ رکھی سرمئی چیز پر پڑی تھی۔اور اس کے ساتھ رکھی تصویر پر۔وہ متجسس آگے بڑھی۔

www.novelsclubb.com

تجسس ایک اچھی چیز ہے، مگر ہر شے کی زیادتی ایک زہر ہوتا ہے۔ایمان جاوید کو اگر شکی ہونے کی عادت تھی تو ضرورت سے زیادہ تجسس بھی ایک خود کے راستے میں کھڑی کی گئی رکاوٹ تھی۔اور ایک کنجی۔مگر ہر دروازہ ایک ہی کنجی سے نہیں کھلتا۔

اس نے سرمئی فرش پر کھڑے اس سفید میز پر پڑے سرمئی مفلر کو چھوا۔اس اونی کپڑے کو مٹھی میں پکڑتے اس نے اس کی نرمی کو محسوس کیا۔جانے کیوں مگر وہ اسے چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔وہ کسی اور کا نہیں،اپنا لگتا تھا۔۔۔

کوئی اور ہوتا تو تصویر اور مفلر میں سے ایک کو چنتا مگر وہ ایمان تھی۔ایک ہاتھ میں مفلر پکڑے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ میں تصویر اٹھائی۔ایک خستہ حال، آدھی پھٹی ہوئی تصویر۔ایک نامکمل منظر۔وہ اس کے شبہات کو سچ ثابت کرتا ثبوت تھی اور وہ جان گئی تھی کہ یہ کمرہ کس کا تھا۔

لازم تھا کہ یہ وہی تھا۔ایک خوبصورت مسکراہٹ مومن ابرار کے لبوں پر سجی تھی۔ایک اصلی مسکراہٹ،سالوں پہلے کی۔بال کافی لمبے اور کانوں کے پاس سے بکھرے ہوئے تھے اور بازو ایک بچی کے شانوں کے گرد پھیلا رکھے تھے۔وہ چھوٹی لگتی تھی، معصوم، قدرے کمزور۔آنکھیں طٰہ جیسی سنہری تھیں مگر نقوش ان سے نہیں ملتے تھے۔جہاں مومن اپنے باپ کا ہو بہو عکس تھا، مگر یہاں گیارہ

www.novelsclubb.com

بارہ برس کا تھا تو وہ لڑکی بھی اس سے دو تین سال کم عمر لگتی تھی۔ چہرے کے نقش و نگار قدرے مختلف تھے مگر بتانا آسان تھا کہ وہ اس کی۔۔۔

"ایک بہن۔" ایمان خود سے بڑبڑائی۔ کسی کو اسے یہ بتانے کی توفیق نہیں ہوئی تھی کہ اس کا مشکوک ابنِ مشکوک منگیتر کسی کا ایک عدد بھائی بھی تھا۔

الجھن اور اکتاہٹ کی ملی جلی کیفیت میں جب وہ ان دونوں کو واپس رکھنے لگی تھی تب کسی نے مفلر اور تصویر دونوں اس سے چھین لیے۔ اور وہ براہِ راست اس کمرے کے مکین کے آگے کھڑی تھی۔ ظاہر تھا، وہ مومن ہی تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، ایمان شروع تھی۔

"میں اپنی وضاحت کرنا ضروری نہیں سمجھتی جیسے یہاں پر بھی کوئی شخص اپنی وضاحت کرنا اہم نہیں جانتا۔" وہ ایک ہاتھ سے دوسرے بازو کی کہنی پکڑتے بولی۔

مومن کے سیاہ ابرو سمجھتے ہوئے اٹھے۔

“Fair point. Now get out.”

وہ جا ہی رہی تھی مگر یہ گیٹ آؤٹ بد تمیزانہ تھا۔

اس کے کمرے میں ایک سٹاکر کی طرح سامان میں ہاتھ ڈالنے سے زیادہ نہیں، ہاں؟ اپنے ضمیر کی ملامت کو نظر انداز کرتے وہ وہیں کھڑی رہی۔

”تمہاری بہن کہیں گئی ہوئی ہے؟“ تصویر میں اس گھر کے لاؤنج میں لی گئی کئی سال پرانے منظر کی جانب اشارہ کیا۔ وہ ہوم ایکویریم سے پہچانا جاتا تھا، جس کی مچھلیوں کو زہر دے کر مار دینے کے بارے میں ایمان نے ایک دو دفعہ شوق سے سوچا تھا پھر انسانیت واپس آتے ہی دوبارہ دیکھنا چھوڑ دیا تھا۔

”مروارید ابرار۔ میری بہن۔“ مومن کی پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔

”کہاں ہے؟“

"قبرستان میں۔" سیاہ آنکھیں پھیلتی شام کا عکس تھیں۔ وہاں ایک دم بس جانے والی خاموشی ایمان کے لیے مزید الجھن کا باعث۔

"کتنا وقت بیت چکا ہے؟" اس سے زیادہ بولا نہیں جا رہا تھا، مومن کے تاثرات الفاظ بھلا دینے والے تھے۔

"تین سال، تین ماہ، تین دن۔" بیزاریت سے لیس الفاظ۔

"تین گھنٹے، تین منٹ اور تین سیکنڈ بھی کہہ دیتے۔"

مومن کے چہرے کے سپاٹ تاثرات بکھرنے پر ایمان نے خود کا دل ہی دل میں شانہ تھپکا۔ اس کا مقصد بدتمیزی تھا نہ تمسخر۔ وہ بس جانتی تھی کہ اس کی آنکھوں کے سیاہ میں اداسی گھلتے ہوئے اچھی نہیں لگتی تھی۔ وہ بدتمیز، ریزروڈ اور سرد زیادہ اچھا لگتا تھا۔ تف ہے، اچھا وہ تب بھی نہیں لگتا تھا مگر۔۔۔ برداشت کے لائق۔ یہ صحیح لفظ تھا۔

مومن اس کے انداز پر دھیرے سے مسکرایا تھا۔ زخمی، رنجیدہ، مگر وہ ایک مسکراہٹ تھی۔

انگلیوں پر گنتی کی۔

”تین سال اور دس مہینے۔“

”صاف کہو، چار سال بیت چکے ہیں۔“ وہ باہر جانے لگی تھی۔

”نہیں۔ ابھی کچھ وقت باقی ہے۔“ مومن کے انداز پر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ اٹھی۔

”میرا امر وارید سے کیسا تعلق تھا؟“ سرسری سوال۔

”تم دونوں دوست تھے۔“

”اور؟“ کان کے پیچھے بال اڑسے۔ چند قدم اور وہ مزید دور ہو گئے۔ پیچھے نہیں دیکھا۔

”دوستی ہم کسے کہتے ہیں؟“ دراز کھل کر بند ہونے کی آواز۔ مومن کی نظریں ماضی پر جمی تھیں جسے ایمان نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ”ایک ایسا رشتہ جو۔۔۔“

”ہر رشتے کی طرح فانی ہے۔“ ایمان کے اپنے زیرِ لب مکمل کیے الفاظ آج بھی اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

وہ زخمی، خون آلود اور بکھری سوچوں کے درمیان بارش میں بھیگتے ہوئے چلتی رہی۔

***

www.novelsclubb.com

زیب کی کال پر طٰہٰ ابرار کے تنے اعصاب ڈھیلے ڈھالے ہو گئے۔ کھڑکی سے دکھائی دیتے سبزے اور دیگر عمارات کو دیکھتے انہوں نے اپنی سیاہ ٹائی کی گرہ میں انگلی ڈالی۔

"کیا حال ہے، زیب؟"

"بے حد خوش۔اتنا زیادہ کہ آپ سے چند سوال کرنا چاہوں گا۔" وہ اب غصے میں نہیں لگتا تھا۔انداز تکان زدہ تھا۔ہاتھ میں پکڑے وائن گلاس سے اپنے آفس کے اندھیرے کے باعث گہرا قرمزی مشروب جھلکتا تھا۔

"پوچھ لو۔جواب کی امید نہ رکھنا۔" طٰہٰ نے صاف بات کی۔

"انمول یہاں بار بار کیوں آتی ہے؟" وہ بھی عین موضوع پہ آیا تھا۔

"کیونکہ وہ کبھی تمہاری بیوی تھی اور طلاق کے ساتھ اس کو ماہانہ رقم ادا کرنا بھی تم دونوں کے بیچ طے ہوا تھا۔" مٹھائی کا نیا ڈبہ کھولتے طٰہٰ نے مصروفیت سے کہا۔ گلاب جامنوں کی میٹھی لذیز خوشبو۔

"ہم دونوں جانتے ہیں وجہ یہ نہیں ہے۔" زیب کی آواز جو عموماً خوشگوار رہتی تھی ابھی گہرے سیاہ میں ڈوبی لگتی تھی۔

"وہ تم سے محبت میں بھی نہیں مری جا رہی، ہم یہ بات بھی جانتے ہیں۔" طٰہٰ نے گلاب جامن منہ میں ڈالا۔

"میں اپنے بارے میں ایسی خوش فہمیاں نہیں پالتا۔" زیب نے رکھائی سے کہا۔

"مگر کوئی نہ کوئی وجہ ہے جو وہ اتنے سالوں سے میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہی۔ اور آپ جانتے ہیں۔"

یہ ہر بار کی کارروائی تھی۔ طٰہٰ اور زیب مہینے میں ایک مرتبہ فون پہ گفتگو کرتے تھے اور سال میں دو دفعہ ابرار منزل ملا کرتے تھے۔ ہر کال کی وجہ انمول ملک تھی اور اس لیے طٰہٰ اس سے کوئی رنجش نہیں پال سکتے تھے۔ وہ انہیں اپنے بھائی سے بات کرنے کی توجیہہ فراہم کرتی تھی۔ ایسی عورت سے کون عداوت رکھتا؟

"ہوں، کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہو گی۔" طٰہٰ نے ڈبہ بند کر دیا۔ کبھی کبھی مرنے سے ڈر لگتا تھا اور وجہ اپنے پیچھے خاندان میں اپنے بھائی اور بیٹے جیسے بیوقوف مردوں کو چھوڑ جانا تھا۔

www.novelsclubb.com

زیب ان کی خاموشی سمجھتے، ایک اور بات پہ آگیا۔

"پچھلے ہفتے موٹر وے پہ کیا واقعہ ہوا تھا؟"

اب کی نا بات۔ طٰہٰ اسے بتانے لگے۔

"ملائکہ بیٹے نے بتایا تھا۔ وہ اپنے کزن کے ساتھ موٹر وے پہ تھیں جب فائرنگ ہوئی تھی۔ انہوں نے پولیس میں رپورٹ کروانے سے پہلے مجھے بتادیا اس لیے معاملہ سنبھل گیا ہے۔ میں مراد کے ہاتھ ایک اور کمزوری نہیں لگنے دینا چاہتا۔ ایمان کا حادثہ ہی کافی ہے۔"

زیب چند لمحے وائن گلاس انگلیوں کے بیچ گھماتا رہا۔ پھر ایک گھونٹ بھرا۔ آنکھوں کے آگے ایک پرانا منظر ابھرا۔ آگ۔ شور۔ ایک بچی۔ دھماکہ۔ سیاہ پن۔ اور پھر ہتھ کڑی۔

"بھائی، آپ کو جان کی نہیں، صرف ظاہری عزت کا خیال ہے۔ آپ کے خاندان کی image سب سے اہم ہے۔ اس میں رہنے والے لوگ نہیں۔"

طہٰ لاجواب رہ گئے۔

"تم بھی اسی خاندان کا فرد ہو، زیبی۔" اسے اس نام سے پکارا جس سے وہ جوانی میں پکارا کرتے تھے جب وہ ایک بچہ تھا۔

زیب مجاہد کا لہجہ اس کی روح کی طرح زخمی تھا جب اس نے وہ الفاظ کہے جو طہٰ ابرار کو ہمیشہ تکلیف پہنچاتے تھے۔

"آپ کبھی نہیں بدلیں گے، بھائی۔"

اس نے کال بند نہیں کی۔ طہٰ بھی چند منٹ فون سکرین کو دیکھتے رہے۔ وہ چھوٹا تھا، احترام میں ان کے فون بند کرنے کا انتظار کیا کرتا تھا۔ چاہے کتنا ہی ناراض کیوں نہ ہو۔ مگر اس سارے احترام کا فائدہ جب آخر میں تکلیف پھر بھی ہوتی تھی؟

طٰہٰ نے اپنی بیٹی کی معصوم تصویر پر نگاہیں جمائے کال بند کر دی۔

”مر وارید، تمہارے لیے کچھ بھی۔“

***

آسمان سر نگ جیسا گہرا سیاہ تھا۔

گناہگاروں کا راز دار۔

نیکوکاروں کا ہم نوا۔

تیز بارش ہو رہی تھی۔ لمبی سڑک ویران تھی۔ اطراف میں لگے سبز پھل دار درختوں کی لمبی قطار تھی جو اپنے پیچھے گھروں کو آدھا ڈھانپ دیتے تھے۔

ایسے میں پاس چلو تو تمہیں ایک بس سٹاپ دکھے گا جس کی چھت پر بارش کا شور سب سے تیز تھا۔

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

ایمان کے ہاتھ سے نیچے پھسلتی قرمزی بوندیں جب پانی کی ندی میں گھلنے لگیں تو وہ ایک بے فکر دلچسپی سے انہیں دیکھے گئی۔

وہ جانے کب سے یہاں ایک بنچ پر تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔اسے نہیں معلوم تھا وہ یہاں کب آئی تھی، یا کیوں یا کیسے۔ پیر تھک چکے تھے اور ساتھ میں اس کا جسم مگر ذہن کچھ نہیں جانتا تھا۔کچھ بھی نہیں۔۔۔

اس نے گیلی سکرٹ والے گھٹنے اوپر کر کے سینے سے جوڑ دیے۔ بازوان کے گرد پھیلا کر سامنے چھائی ویرانی کو اس سے بڑھ کر ویران نظروں سے دیکھنے لگی۔ خالی پن۔ صرف اور صرف خالی پن۔

ٹپ، ٹپ، ٹپ۔

وہ جانے کب سے یہاں بیٹھی رہی تھی۔ بال ہلکے ہلکے سوکھ چکے تھے، جلد خشک تھی۔ ٹھوڑی ایک جانب پھسل گئی تھی اور گال گھٹنے پر رکھا ہوا تھا۔ زندگی ایک جگہ آکر رک گئی تھی۔

وہ میڈوسا تھی۔ایک ایسی وحشت ناک حیوان جس نے انسانوں کے ساتھ ظلم کیا تھا۔جس کے گناہ اتنے بھاری تھے کہ اس کا ذہن انہیں یاد کرنے سے قاصر تھا۔یا شاید وہ میڈوسا کا دوسرا version تھی۔ایک ایسی لڑکی جس کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی۔اسے اس کے عزت دار مقام سے گرایا گیا تھا۔لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ اس قصے میں ایتھینا کون تھی اور پوسائیڈن،اس کا حقیقی مجرم کون تھا۔

ملائکہ صحیح کہتی تھی،یونانی داستانیں انسان کے دماغ کو خراب کرنے میں وقت نہیں لگاتی تھیں۔وہ کیسی ماورائی مخلوقات سے خود کا موازنہ کر رہی تھی۔تصوراتی داستانوں کے بدصورت کردار۔وہ کس زیادتی کا شکار تھی؟ صحیح سلامت تھی وہ۔

www.novelsclubb.com

لیکن ہو بھی سکتا تھا۔۔۔آخر کو اسے یاد تھوڑے ہی تھا۔

اس نے سر دائیں بائیں ہلایا جیسے ذہن کو صاف کرنا چاہتی ہو۔یہ سب پاگل پن تھا۔

یہ سب جو وہ سوچ رہی تھی، حقیقی پاگل پن تھا۔

اسے ایک سائیکاٹرسٹ نہیں، ایک مینٹل وارڈ کی ضرورت تھی۔ وہ ایک ذہنی مریضہ جو تھی، ذہنی امراض کے ہسپتال میں بند کر دیے جانا سب سے سیدھا راستہ تھا۔ کم از کم وہاں اس سے کوئی نفرت کرنے والا نہیں ہو گا۔ سوائے انتظامیہ کے اکا دکا افراد کے، کسی کو کبھی اس پر توجہ نہیں دینی پڑے گی۔ وہ لوگوں کی ملامتی، تنقیدی، متنفر، اکتائی ہوئی، ہر طرح کی نظروں سے محفوظ ہو گی۔

انہی مہلک سوچوں میں گھرے وہ بائیں ہاتھ سے بہتے خون کی قطار کو دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔

ٹپ، ٹپ، ٹپ۔

ایک کار انجن کے شور نے خاموشی توڑی۔ بوندا باندی کی ٹپ ٹپاہٹ، جوتوں کی دھمک اور پھر ان سیاہ جاگرز کا اس کی جھکی نظروں کے سامنے آ کر رک جانا۔ ایک ہی شخص تھا جسے سیاہ رنگ ایمان جاوید سے بھی زیادہ پسند تھا۔

اس نے بالآخر سر اٹھایا۔

اسے مومن کی آنکھیں دیکھ کر حیرت نہیں ہوئی۔ وہ ایمان کے ذہن کے رنگ جیسی تھیں۔ سیاہ، سیاہ، سیاہ۔

اس نے سر پر ایک سیاہ بینی پہن رکھی تھی سرمئی سویٹر کے اوپر سیاہ جیکٹ، اور سلیکس میں ملبوس وہ گھٹنے کے بل اس کے پیروں میں جھک گیا۔ کچھ کہنے کے لیے اس کے لب وا ہوئے جب مسلسل ہوتی ٹپ، ٹپ، ٹپ پر اس کی نگاہ پھسلی۔ اور پھر اس لمبی ندی پر جو بارش کے پانی میں گھلنے کے باوجود اپنا رنگ نہیں کھو رہی تھی، نہیں کھو سکتی تھی۔ سرخ۔

ایک لمحے کے لیے وہ وقت میں پیچھے چلا گیا تھا۔ وہ رو رہا تھا۔۔۔ چلا رہا تھا۔۔۔ اس کے سامنے وہ نعش پڑی تھی۔۔۔ وہ اپنے آپ میں نہیں رہا تھا۔۔۔ وہ اپنے اندر قید تھا۔۔۔ اور اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔۔۔ اور آج وہ بے یقینی اسی وقت کی طرح زندہ تھی۔۔۔ اب وہ جاگ گئی تھی۔۔۔ ایسے جیسے وہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکا تھا۔۔۔

مومن نے پلکیں جھپکائیں اور سانس لیا۔وہ کھٹی، آہنی مہک اس کے نتھنوں میں چبھی۔خون۔

اس نے سانسیں بھریں جو دھیمی ہو گئی تھیں۔اتنی دھیمی جیسے وہ سانس لینا ہی چھوڑ چکا تھا۔چاہتا تھا مگر لے نہیں پا رہا تھا۔اس کا ہاتھ جیب میں گیا، تاکہ وہ اپنا۔۔۔

ایمان اس کے انداز کے اتار چڑھاؤ کو جانچ رہی تھی۔وہ عجیب سرمئی آنکھیں، ترش ابرو، چہرہ جو سب کو مرعوب کر دیتا تھا سوائے مومن کے۔اور ابھی اسی پہ مرکوز تھا۔

اس کی آنکھوں میں دیکھتے مومن کا ہاتھ خود بخود جیب سے دور جاتا گیا۔سر سے بینی اتار دی۔

پھر اس نے ایمان کی کلائی تھام لی۔

”یہ کس نے کیا ہے، گرے؟“

مومن کی آواز اس کی اپنی نہیں لگتی تھی۔ برف نے اس کو اندر تک جما دیا تھا، ایک آگ نے اس کے سینے میں جگہ لے لی تھی۔ ایمان کے خاموش چہرے پر گڑی نظریں جھپک تک نہیں رہی تھیں۔

اس کی ہتھیلی سے باریک قرمزی لکیریں کلائی پر پھسلتی گئیں۔ خون کی یہ ندی ٹپکتی ہوئی قدموں میں پانی کے تالاب میں گھلتی جا رہی تھی۔ بڑھتی ہوئی بارش کی بوچھاڑ میں گرتی سرخ بوندیں الگ انداز میں دل دہلاتی تھی۔

ٹپ، ٹپ، ٹپ۔

مگر یہاں دل کس کے پاس تھا؟

ایمان خاموش رہی۔ ایک لمحے کے لیے۔ خیال میں۔ ان دونوں پہ چھایا اندھیرا گہرا ہوتا گیا۔ اس اندھیرے کو یکدم تیز کڑکتی ہوئی بجلی نے توڑا۔ جہاں مومن کا چہرہ سیاہ ہو گیا تھا تو وہیں اس لمحے، ایمان کے نقوش سفید روشنی میں واضح ہوئے تھے۔

www.novelsclubb.com

"میں نے۔"

مومن نے اللہ سے صبر کی دعا کی۔

"کیوں؟"

وہ اس کی ہتھیلی چہرے کے قریب لے جاتے جائزہ لینے لگا۔ایسا گہرا زخم جو کسی کانٹے میں ہاتھ چبھونے سے نہیں آتا۔وہ اتنا گہرا تھا کہ ایمان کو ٹانکوں کی ضرورت پڑنے والی تھی۔اتنا خون بہہ گیا تھا۔۔۔مومن نے ذہن میں پھیلتی سیاہ دھند کو سر نفی میں ہلاتے خود سے دور کیا۔

ایمان جیسے اس کا نرم لمس محسوس کر کے ہوش میں آئی تھی۔اس نے اس کا ہاتھ فوراً سے دور جھٹکا۔

"تم نے بھی مجھے وہی کہا تھا نا؟" ایمان کی سوچ کسی اور ہی لے پر چل رہی تھی۔

مومن جو اس کے سامنے ایک گھٹنے پر جھکا تھا،ایک دم جیسے حال میں واپس آیا۔

"کیا کہا تھا؟"

"میڈوسا۔" ایمان نے ناخن اپنے زخم میں گاڑ لیے۔ خود کو مزید تکلیف دیتے، سرد پن لیے۔ "مجھے لگا تھا تم طنز کر رہے تھے۔ یہ نہیں کہ واقعی طنز کر رہے تھے۔"

مومن وہیں پنجوں کے بل بیٹھا پلکیں ترچھی کیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے بھی لگا تھا تم پہلے جیسی نہیں رہیں۔ جان کے اچھا لگا کہ ہمیشہ کی طرح مجھے پھر غلط ثابت کر رہی ہو۔"

مومن نے اپنے ہاتھ کی انگلیاں کھول کر بند کیں۔ ان پہ بھی خون تھا۔ ایمان کا۔

تیز سفید روشنی۔ بجلی کڑکنے کی آواز۔

ایمان اسے عجیب انداز میں دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں بھی لگتا ہے کہ میں ایک قاتلہ ہوں؟"

www.novelsclubb.com

اس کی آواز پہلی دفعہ کمزور تھی۔ایک پتے کی طرح جسے کبھی اس نے اپنی ہی ہیل کی نوک تلے کچلا تھا۔

مومن چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔ نظروں میں تکان زدہ تاثر ابھرا، ہلکی کوفت، ڈھیروں بے اعتباری۔آنکھیں روح کا آئینہ ہوتی ہیں۔انسان کا اندر واضح کر دیتی ہیں۔اس کا بھی واضح کر گئیں۔

ایمان کے ناخن اپنے زخم میں اور زور سے دھنس گئے۔ نچلا لب لرزا۔آنکھوں کے سامنے لحظے بھر کے لیے اندھیرا چھایا۔

مومن نے اس کی انگلیاں زبردستی کھولیں۔دانتوں کے بیچ سے سرد سانس خارج کیا۔

"دوبارہ ایسا مت کرنا۔"ایک صاف دھمکی۔"ہم ہسپتال جا رہے ہیں۔"

ٹپ،ٹپ،ٹپ۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

”نہیں، میں نہیں جارہی۔ آئم اوکے۔“ اسے نہیں معلوم تھا کیوں، مگر اس نے یہ کہا۔ وہ ہسپتالوں سے تھک گئی تھی۔ ہسپتال بری یادیں واپس لاتے تھے۔ سفید دن، سفید ذہن۔ وہ اس میں سے کچھ بھی واپس نہیں چاہتی تھی۔

”میں نے تم سے تمہاری رائے نہیں مانگی۔“ اس کا سردپن لوٹ آیا تھا۔ اس نے کہیں سے چھاتا برآمد کیا اور ایمان کو گھورا۔ ”اٹھو۔“

ایمان نے ٹانگیں زمین پر اتاریں۔ اس کے بلاؤز پر مومن کی آنکھیں آکر رک گئی تھیں۔ گہرا سیاہ داغ۔ لازم تھا کہ وہ بھی خون تھا۔

”میں نہیں جارہی۔ تمہارے ساتھ تو ہرگز نہیں۔ ملائکہ کو کال کرو۔ اس کے پاس بھی ایک کار ہے۔ وہ مجھے پک کرلے گی۔“

مومن نے اس کے ہاتھ سے بہتے قرمزی مائع اور اس کی دھندلے آئینے جیسی آنکھوں پہ برہم نگاہ ڈالی۔

www.novelsclubb.com

"تم ایسے گھر نہیں جاسکتی۔"اس کا ہاتھ ایمان تک جاتے جاتے پھر سے رک گیا۔

سانسیں اب ہموار تھیں مگر۔۔۔تاریکی۔بہت ہی کوئی ظالم شے تھی وہ۔"ملائکہ تمہیں لینے نہیں آسکتی۔وہ لاہور کے دوسرے کونے میں ہے۔"

"پھر مجھے اوبر کروادو۔"برجستہ تجویز آئی۔

مومن کی دعائے صبر قبول نہیں ہوئی تھی۔بے ساختہ کھڑا ہوا۔

"اگر میری مدد نہیں چاہیئے تو اوبر بھی خود ہی کرلو۔"

ایمان کے لب بھینچ گئے۔

"تمہیں میرے پاس فون دکھائی دے رہا ہے؟"

مومن اسے دیکھتا رہ گیا۔وہ اسے کچھ بتانا نہیں چاہتی تھی اور مدد بھی چاہتی تھی۔

"میں کال کردیتا ہوں۔مگر جب تک اوبر والا یہاں پہنچے گا تب تک تمہارا ہاتھ۔۔۔"

"ضائع ہو جائے گا۔" ایمان نے جملہ مکمل کیا۔ جیسے مومن کے لیے یہ بات کہنا تھوڑا دو بھر ہو رہا تھا اس لیے فراخ دلی سے اس کی جگہ وہ الفاظ کہہ دیے۔

"تم مر رہی ہو گی اور تمہاری فضول باتیں تب بھی ختم نہیں ہو نگی۔" مومن چھاتا کھلا چھوڑ کر اس کے ساتھ والے بنچ پر بیٹھ گیا۔ پریشان، مضطرب۔ دکھنے میں بالکل سرد، ایک مرمریں مجسمے جیسا۔

"میں نے۔۔۔" اچانک لفظ حلق میں آکر ٹوٹ گئے، خشک آنکھیں مفت میں نم پڑنے لگیں۔ ایمان نے ان کو ہتھیلی سے مسلا۔

اپنی زخمی، خون سے لتھڑی ہتھیلی سے۔

اس کے چہرے پہ اب خون تھا، گہرا قرمزی سرخ۔ آنکھیں پھیلی ہوئیں، لبوں پر وہی مائع، زبان پہ اس کا ذائقہ۔ وہ اسے چکھ سکتی تھی، اپنے گالوں پر محسوس کر سکتی تھی، اپنی پلکوں پر۔۔۔

www.novelsclubb.com

"فار داسیک آف ہیل!"

(تمہیں جہنم کا واسطہ ہے!)

مومن نے یہ کہتے گلے سے وہ سرمئی مفلر نکالا جسے وہ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا، آدھا خراب پہلے کر گیا تھا، اور اب مکمل طور پہ کرنے والا تھا۔ وہ اسے بہت محتاط انداز میں ایمان کی ہتھیلی کے گرد لپیٹنے لگا۔ اس کی تیز تیز جھپکتی پلکوں پر نگاہیں گاڑے، اسے اپنے ساتھ حال میں مضبوطی سے تھامے۔ ماضی میں کھو جانا اس سے بہتر کون جانتا تھا؟

اس کے ہاتھ پہ دباؤ ڈالتے، مومن نے جیکٹ کی جیب سے اپنا ان چھوا سفید رومال نکالا۔ پھر اسے ایمان کے گال پہ رگڑا۔

وہ ایک لمحے کے لیے دنگ رہ گئی تھی۔ ایک ایسا لمحہ جب بارش کا شور تھم گیا تھا، ان کے درمیان کی خاموشی بے حد بلند۔

سیاہ نظریں اور سرمئی، آدھی سرخ نظریں۔

''میں یہ کام خود کر سکتی ہوں۔'' ایمان کے لہجے میں ایک کھوکھلی سی کاٹ تھی۔ وہ مومن کے اس عزیز مفلر کو اپنی مٹھی میں بھینچے اس سے رومال پکڑ کر آنکھوں پہ ملنے لگی۔

وہ ایمان جاوید کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا، کبھی نہیں ہٹا پاتا تھا، ہمیشہ اسے دیکھتا رہ جاتا تھا۔ جیسے وہ کچھ ایسا تھی جسے مومن ابرار صرف دیکھ سکتا تھا اور اگر یہی اس کا ازل اور ابد تھا تو وہ مطمئن تھا۔ تنفر کر دینے کی حد تک مطمئن۔ اور یہی تو سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ جب مڑ جانا چاہیے، نظروں کو پھیر لینا چاہیے، سب کچھ پیچھے چھوڑ دینا چاہیے، وہ تب بھی نہیں مڑتا تھا۔ نہیں پھرتا تھا۔ نہیں چھوڑتا تھا۔

اس مرتبہ صحیح ہاتھ سے اپنے چہرے کو صاف کرتے ایمان اٹھ گئی۔ مومن چھاتا اٹھاتے اس کے پیچھے ہو لیا۔ اس نے ان دونوں کے سر پہ سایہ دیا تھا جب ایمان کی مدھم آواز آئی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"اسے چھوڑ دو۔"

مومن نے سوالیہ نگاہیں اس پہ مرکوز کر رکھی تھیں۔ ایمان نے بس سٹاپ کی چھت سے ایک بازو باہر نکالا اور اسے پانی کی موسلا دھار نہر میں بھیگنے دیا۔

"بارش اچھی ہے۔ سب کچھ دھو دیتی ہے۔"

جیسے اعمال۔

جیسے یہ داغ۔

جیسے بے عزتی کا یہ احساس۔

www.novelsclubb.com

"اس لیے چھاتا چھوڑ دو۔"

مومن نے شانے اچکائے اور چھاتا نیچے کی جانب الٹا دیا۔

وہ دونوں پوری طرح بھیگ چکے تھے جب وہ اس کی کار میں پہنچے تھے۔ ایک خاموش حامی بھری تھی ایمان نے، اس کے ساتھ ہی واپس چلنے کی۔ لب تھر تھرا

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

رہے تھے۔ سندل ووڈ کی مہک خون کی مہک پہ بھاری تھی یا شاید اس کی حسِ مشامہ کو اس کے ساتھ کھیلنا پسند تھا۔ اس میں بیزار ہونے کی طاقت بھی نہیں تھی۔ سینے کے گرد بازو لپیٹتے اس نے اپنی کپکپاہٹ کو قابو میں رکھا جبکہ مومن نے چابی گھمائی۔

ہسپتال کے راستے میں ہیٹر کے باوجود ایمان کا جسم ہلکا ہلکا کانپ رہا تھا۔ شاید وہ بیمار پڑ جاتی۔ لیکن ٹھنڈ اندر کی ویرانی سے بہتر تھی۔ کم از کم وہ محسوس تو ہوتی تھی۔

داخلے کے پورچ پہ کھڑے مومن نے اسے روک لیا۔

''اپنی حالت دیکھی ہے؟'' اس کے بھیگے کپڑوں اور گردن سے چپکتے بالوں کی جانب اشارہ کیا۔

''مجھ میں اتنی توانائی نہیں کہ میں اپنی حالت کے بارے میں کسی کی رائے کی پرواہ کروں۔'' ایمان نے کندھا اچکانا چاہا مگر تھم گئی۔ درد بہت تھا۔ ہر جگہ۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

مومن نے اپنی جیکٹ اتار دی۔

''ضرورت نہیں ہے۔'' ایمان نے پتلیاں سکیڑ کر کہا۔

''احسان کر رہا ہوں۔'' مومن نے وہ اس کے شانوں کے گرد پھیلائی۔ لب دائیں کونے سے اوپر کو مڑے ہوئے تھے۔ ''بعد میں چکا دینا۔''

پہلی نظر کی محبت ہوتی ہے۔ اسے نفرت ہوئی تھی۔ پہلی نظر کی نفرت۔

اپنے بازو گرم جیکٹ میں ڈالتے ایمان نے اسے اکتاہٹ سے گھورا۔

''تم ایسا کیوں کرتے ہو؟''

''کیسا؟'' ہلکا ابرو اٹھایا۔

''یہ سرد گرم انداز۔ پہلے میری زندگی بہت آسان چل رہی ہے جو تم اسے مزید complicate کرنے کے لیے میدان میں کود پڑے ہو؟'' وہ دونوں اندر داخل ہو رہے تھے۔ ہلکی بارش کی نم مہک، جیکٹ کی لیمو اور سندل کی خوشبو۔

www.novelsclubb.com

"آر یو شیور کہ ہر معاملہ میں کمپلیکیٹ کرتا ہوں؟ کون کس کی زندگی میں پہلے آیا، تمہیں تو یاد تک نہیں۔" اس نے ٹسک کیا۔ سیاہ آنکھوں میں آرکٹک کی ٹھنڈ تھی۔ اور خود سے لڑی جانے والی جنگ۔ "یہ سچ ہے کہ میں تمہارے ساتھ تھوڑا۔۔۔ مختلف ہوتا ہوں۔ کیوں؟ جس دن معلوم ہوا سب سے پہلے تمہیں ہی بتاؤں گا۔"

ایمان کو اپنا مفلر میں لپٹا ہاتھ مزید گرم محسوس ہوا۔ اس کا سرمئی کپڑا خون کی زیادتی سے لال کیا، سیاہ پڑ چکا تھا۔ اس نے اس پہ دباؤ بڑھا دیا۔

"یہ جیکٹ بھی اب خراب ہو جائے گی۔" ایک بے معنی بات۔ "میں ابھی بتا رہی ہوں، میں کوئی پیسے نہیں لوٹا رہی۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ ان لوگوں نے مجھے کے ڈی میں کب تک ٹکنے دینا ہے۔ اوپر سے تم۔"

مومن نے اپنی پسندیدہ جیکٹ کو بے نیازی سے خیر آباد کہا۔

"مجھے ویسے بھی ایک نئی جیکٹ کی ضرورت ہے۔"

***

وہ دو وردی میں ملبوس گارڈز کے ساتھ ایک فرنیچر شوروم کے بیرونی دروازوں کے سامنے کھڑی تھی۔ طٰہٰ ابرار کے گارڈز جو ایمان کے ساتھ نہیں رہ سکے تھے جن کی شکایت بھی کرنے والی تھی۔ اب وہ ملائکہ کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔

ملائکہ کی پینٹس کے کھلے پائنچے سیڑھیوں سے اترتے ہوئے پھڑ پھڑاتے تھے۔ وہ کان سے فون لگائے سن رہی تھی۔

"وہ مل گئی ہے؟" تشویش سے ہونٹ ہلے۔ "شکر ہے اللہ کا۔"

"اللہ کا شکر بندہ تب ادا کرتا ہے جب مصیبت سے جان چھوٹے۔ یہاں تو وہ دوبارہ گلے پڑ گئی ہے۔" حمزہ نے لاپرواہی سے کہا۔

"تمہیں میری بہن سے کونسا مسئلہ ہے؟" ملائکہ نے کمر پہ ایک ہاتھ رکھا۔ "میں نے ہمیشہ کہا ہے ارتضیٰ سے دور رہا کرو۔ پھوپھوؤں والی عادات ہیں اس کی۔ ہر ایک کو میری بہن کے خلاف کرتا ہے جیسے ایمان نے اس کی بک شیلف کو آگ لگا دی ہو۔"

"میں یادداشت تازہ کرواتا ہوں، بہن کی طبیعت کا زیادہ اثر ہو گیا ہے۔" حمزہ نے بالائی لب گول کرتے محظوظ انداز میں کہا۔ "ایک دفعہ مس جاوید نے ارتضیٰ کی نظر میں آئے ہیری پوٹر کے سب سے مہنگے سیٹ کو بابا کی لاڈلی بن کر خود خرید ااور اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ کتنے سال ہو گئے ہیں؟ دس؟ وہ آخری سیٹ تھا۔ آج تک تمہاری بہن نے کسی کو بھی اس کی شکل نہیں دیکھنے دی۔"

ملائکہ نے نچلا لب دانتوں تلے دبایا۔

"تمہاری بات تو صحیح ہے۔ اس کے لیے تو میں بھی اسے معاف نہیں کر سکتی اور میں بہت عفوودرگزر کرنے والی ہوں۔"

www.novelsclubb.com

وہ چند قدم نیچے بڑھتی گئی۔ پارکنگ ایریا میں ایمان کی کار والی طرف رش سا تھا۔

"نئی کتاب کہاں تک پہنچی ہے؟" حمزہ اردو ناولز میں دلچسپی نہ رکھتے ہوئے بھی ہمیشہ فون اینڈ کرنے سے پہلے اس سے اس کی لکھائی کے بارے میں پوچھا کرتا تھا۔ اس کی اسی اچھی عادت کی وجہ سے ملائکہ اس کی تمام شوخیاں معاف کر دیتی تھی۔

"زیادہ آگے نہیں۔ ابھی بھی اٹکی ہوئی ہوں۔" وہ بے بسی سے بولی۔ اپنی پسندیدہ کہانی لکھتے ہوئے کسی موڑ پہ آ کر رک جانا بڑا تکلیف دہ کام ہوتا ہے۔

"کیا مسئلہ ہوا ہے؟" حمزہ اس کے لیے پریشان لگتا تھا۔ ملائکہ نے تین کتابیں لکھی تھیں اور پہلی بار وہ چھ مہینے تک ایک کہانی کے بیچ رک گئی تھی۔ جیسے آگے کوئی راستہ نہ بچا ہو۔

"شاید مجھے لکھنا چھوڑ دینا چاہیے۔ اس کام میں پیسے ویسے نہیں ہوتے۔ پھر یہ شوق میرے اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے بنتا جا رہا ہے۔ اور ابھی ایمان کو میری ضرورت ہے۔ میں ساری ساری رات ایک سٹوپڈ سے ناول پہ اپنا وقت ضائع نہیں

کر سکتی۔" مایوسی کی انتہا تھی کیونکہ وہ اپنے ناولز کو کبھی بھی سٹوپڈ (احمقانہ) نہیں کہتی تھی۔ اس کے نزدیک یہ اپنے کام کی توہین تھی۔

"سٹوپڈ تو تمہاری باتیں مجھے لگ ہی رہی ہیں۔" حمزہ نے ہلکے پھلکے انداز میں سرزنش کی۔ "ابھی لکھنا چھوڑ کر اپنی زندگی کی مسٹری پہ فوکس کرو۔ شاید یہ کیس حل ہو جائے تو تمہارا muse (انسپریشن) واپس آ جائے۔"

"امید تو ہے۔ تھینکس۔" کال بند کر کے گہری سانس خارج کی۔ "اللہ۔"

وہ پارکنگ لاٹ میں کھڑی ایمان کی سفید مرسیڈیز کی جانب بڑھی۔ اپنی بہن کی کار میں اس نے خود آدھے شہر کو کھوج ڈالا تھا مگر وہ اسے نہیں ملی تھی۔ اور ملی بھی کسے تھی؟ مومن کو۔ وہ سوچ ہی سکتی تھی کہ دونوں سائیکوز نے ایک دوسرے کا کیا حال کیا ہو گا۔ جھرجھری لی۔

پارکنگ کے اوپر چھت تھی جس پہ بارش کا شور ہو رہا تھا۔ اس کے گارڈ نے اس کے سر پہ رکھا چھاتا نیچے کیا۔ یہ وی آئی پی ٹریٹمنٹ کسی زمانے میں اس کی خواہش رہا تھا

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

مگر اب۔۔۔اب اسے ایسی چیزوں سے اکتاہٹ ہوتی تھی۔ پارکنگ ایریا میں ایمان کی کار کے گرد لوگوں کا ہجوم کھڑا دیکھ کر اس کے اینکل بوٹس کی رفتار بڑھی۔

وہ چابی دباتے کار کا قفل کھول کر اس کی جانب آئی۔ طٰہٰ کا ایک گارڈ زمین بوس تھا۔ ملائکہ کے اطراف میں چلتے گارڈز قریب کھڑی پوشیدہ سی سیاہ وین سے چند اور آدمی بلاتے اس بے ہوش فرد کو اندر دھکیل رہے تھے۔ اس وین کو دیکھ کر ملائکہ کو شدید کوفت نے آن گھیرا۔ تو اب طٰہٰ انکل اس کا بھی پیچھا کروایا کریں گے؟ مانا کہ ایمان کی حفاظت کے لیے اس کالی وین کا ہر جگہ ہونا ضروری تھا مگر ملائکہ کو کسی کی غیر ضروری حفاظت کی ضرورت نہیں تھی۔

www.novelsclubb.com

وہ اس بارے میں بھی شکایت ریکارڈ کرواتی مگر پھر نگاہیں کار کے اگلی جانب سفید پینٹ پر لگے سرخ دھبوں پر جم گئیں۔

سکیورٹی سٹاف کی ساتھ چلتی غصیلی سرگوشیاں پسِ منظر میں چلی گئی تھیں۔

"یہ کیسے ہوا؟"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

”ہم لوگ ابھی پہنچے ہیں۔ مس جاوید۔۔۔“

”کار کو تو دیکھو!“

”وہ نہیں ملیں۔ ہم نے ہر جگہ دیکھا ہے۔“

”کار تو دیکھ لو۔۔۔“

”مجھے یقین نہیں آتا تم دونوں نے انہیں کھو کیسے دیا تھا۔“

”وہ سر۔۔۔ان کا سویٹر ملا تھا بس۔ غور نہیں کیا۔۔۔“

”کار تو دیکھ لو۔۔۔“

www.novelsclubb.com

”اوہ بھئی، دیکھتے ہیں۔ چپ کر!“

”مل گئی ہے وہ۔“ ملائکہ نے تین انگلیوں سے سیٹی بجائی اور انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔ ”یہ دیکھو۔“

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

گارڈز نے گھوم کر کار کی اس جانب دیکھا جہاں ان کی پہلے نظر نہیں گئی تھی کیونکہ وہ پارکنگ کے دوسری طرف تھے۔وہاں جہاں ملائکہ کی شہد رنگ آنکھیں جمی ہوئی تھیں۔

سرخ رنگ سے اس کی بہن کی سفید مرسیڈیز کے انجن کے ڈھکن پر بڑا بڑا کر کے انگریزی میں دو لفظ لکھے ہوئے تھے۔

"WATCH OUT."

(بچ کے رہنا۔)

ملائکہ نے اپنے فون بیگ میں سے فون برآمد کر کے تصویر کھینچی۔پھر ہینڈ بیگ سے جوس کی بوتل نکالی۔ڈھکن کھول کر اسے لبوں سے لگایا۔لمبا گھونٹ بھرا۔حلق سے وہ گزرتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"واچ آؤٹ۔" زیرِ لب کہا۔ تو اب وہ ایک ہالی ووڈ فلم کا حصہ تھی۔ جیسے اس کی بچپن سے خواہش رہی تھی۔ نائس۔

***

خون روئی سے صاف کرنے کے بعد اب ٹانکے لگنے کی باری تھی۔

ہسپتال کے ER میں ٹھنڈ نہیں تھی۔ ایمان کے قدرے سوکھ چکے کپڑوں پہ مومن کی سیاہ جیکٹ تھی۔ وہ بضد تھا کہ وہ اپنے عجیب حلیے میں اندر نہ جائے مگر ایمان بتا سکتی تھی کہ اصل وجہ اس کا کانپتا وجود تھا۔ اچھا بننا بھی ہے مگر دکھنا نہیں ہے۔ عجیب۔

یہاں پہنچتے پہنچتے وہ آدھی بے ہوش ہو گئی تھی، خون بہت زیادہ بہہ گیا تھا۔ بس سٹاپ پر بیٹھے اس نے خود ترسی اور زندگی کی ناانصافی کے بارے میں بھی نہیں سوچا

تھا۔ وہ 'کچھ' تو ہوتا۔ مگر سوچا اس نے کچھ تھا ہی نہیں۔ بس دنیا دیکھتی رہی تھی۔ خالی، بارش میں بھیگتے صحرا جیسی۔

ایک جونیئر ڈاکٹر اس کے ہاتھ کی جلد میں سوئی ڈال کر پھر نکال رہا تھا۔ اندر، باہر، گرہ لگائی۔ دوبارہ سے وہی۔

اس کی رنگت نچڑی ہوئی اور خون کو دیکھتے حالت ایمان سے زیادہ خراب لگتی تھی۔ ایمان کو اسے پہچاننے میں دیر نہیں لگی تھی۔ یہ وہی عدنان تھا۔ کھاریاں کے ہسپتال والا۔ اس نے چند ایک بار سوچا کہ اس کو یہ ٹارچر بخش کر خود ہی اپنے ٹانکے لگا لے مگر اسے خود پہ بھروسہ نہیں تھا۔ کیا پتہ وہ سوئی لے کر مومن کی ہی آنکھ میں دے مارتی۔

اینستھیزیا کی وجہ سے اسے تکلیف نہیں ہو رہی تھی مگر توانائی کا اب جا کر احساس ہوا تھا کہ تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ نگاہ سوئی کی اس محتاط تحریک پر جمی تھی۔

اندر، باہر، گرہ۔

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

بلیچ اور ادویات کی مہک کو اپنے اندر بسنے دیتے، وہ ہسپتال کے ان دنوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے گزرتے دیکھنے لگی۔ وہ انتہائی برے دن۔

منتہیٰ چپ چپ رہنے لگی تھیں۔ جاوید کی پہلی برسی میں چند ہفتے باقی تھے۔ یعنی آج سے چار سال پہلے۔ تب وہ اسی کے اعزاز میں رکھی گئی بزنس کنونشن پہ مدعو تھیں جہاں انہوں نے اپنی آخری سانسیں لینی تھیں۔

اس وقت ایمان کو یہ معلوم نہیں تھا۔ وہ اور ملائکہ چند دنوں سے ان کے پاس ایک طرح سے ہسپتال کے ہی مقیم ہو گئے تھے۔

ڈسچارج کے دن بھی منتہیٰ کا بازو کاسٹ میں تھا۔ وہ وہیل چیئر پر بیٹھی اپنی بیٹیوں سے بحث کر رہی تھیں۔

"میں ٹھیک ہوں! تم دونوں کو زیادہ میری ماں بننے کی ضرورت نہیں ہے۔" ان کی رنگت زرد تھی، جاذب چہرے کا خون نچڑا ہوا۔ مگر آواز مضبوط تھی اور ایسی ہی جیسے عام طور پر ہوتی تھی۔ وہ ملائکہ کا عمر میں بڑا، قدرے دبلا ورژن لگتی تھیں۔

"والدہ"، ہمیں آپ کی ماں بننے کی ضرورت نہیں ہے۔آپ پہلے ہی ہمارے مکمل قابو میں ہیں۔" ملائکہ نے سپاٹ انداز میں کہا۔اس کے بال ایک فش ٹیل میں تھے۔عام کرتا شلوار میں ملبوس۔آنکھوں پہ گول ہیری پوٹر والا چشمہ تھا۔عمر اٹھارہ سال کے لگ بھگ۔

ایمان اور منتہیٰ تین سیکنڈ اسے دیکھتے رہے پھر مل کر ہنسنے لگ گئے۔ملائکہ نے منتہیٰ کا کندھا تھپکتے مسکراہٹ دبائی۔

"اپنی بہن کو سن رہی ہو، ایمان؟" منتہیٰ رمضان نے اپنی سوتیلی بیٹی کو پکارا۔ایمان اس وقت بھی خوبصورت لگتی تھی۔بلاؤز، جیکٹ اور پینٹس کے دور میں، روٹین سے تھوڑا کم میک اپ مگر ہائی ہیلز پہنی ہوئی تھیں۔فرق بس اتنا تھا کہ چہرے پہ ایک vulnerability سی عیاں تھی جسے وہ چھپانے کی جتنا کوشش کرتی، ملائکہ اور منتہیٰ اسے دیکھ لیتے۔

www.novelsclubb.com

''کوئی بات نہیں۔ جو خواتین آدھی دیوانی ہو جاتی ہیں، ایسے ہی سنجیدہ معاملات پہ بھی ہنس دیتی ہیں۔'' ملائکہ نے مزید افسوس کا اظہار کیا۔

ایمان کی نظریں جو ویسے ہمیشہ کھوئی کھوئی رہتی تھیں، اس وقت چمک رہی تھیں۔

''مام، اس کی باتیں دل پہ مت لیجیے گا۔ ایسا عمر رسیدہ لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے مگر آپ تو ابھی بھی جوان ہیں۔'' وہ ان کے بھورے سفیدی مائل بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ ایمان نے زندگی میں ان کے علاوہ کسی کے بالوں کو نہیں چھوا تھا۔

''بے فکر رہیں، 'والدہ'۔'' ملائکہ نے دروازہ کھولا تو ایمان وہیل چیئر کی پشت کو دھکیلتے انہیں وہاں سے باہر نکالنے لگی۔ ''آپ نے ہمیشہ کے لیے جوان اور خوبصورت رہنا ہے۔''

"تم مجھے ٹھیک ہونے دو، محترمہ۔ پھر میرے ہاتھ ہونگے اور تمہاری یہ لمبی زبان۔" غصے میں بھی آواز کھنکتی ہوئی تھی۔ جتنی سنجیدہ عورت وہ تھیں، جتنی بارعب، لہجہ اتنا ہی محبت بھرا تھا۔ ایک ماں جیسا۔

ملائکہ اتنے لوگوں کے بیچ ان کے ایسا کہنے پہ سٹپٹا گئی جبکہ ایمان نے سفاکی سے سرگوشی کی۔ "کھینچ ڈالیں اس کی زبان۔ اتنا بولتی ہے یہ۔"

"اور لکھتی ہے۔" ایک کم عمر ملائکہ نے انگلیوں پہ گنوایا۔ "اور کسی کی بھی سوچ سے زیادہ فلمز اور سیریز دیکھتی ہے۔ اور کتابیں پڑھتی ہے۔ اور ہر گانے کی پہچان ہے اسے۔" اپنے منہ میاں مٹھو اور شرمندہ تک نہیں۔

ایمان کے لب مصنوعی طنز سے اٹھے۔ "مگر پڑھائی میں تم کیا ہو؟ نل بٹا نل۔"

ملائکہ نے تڑاخ سے کوئی جواب دیا تھا، منتہیٰ نے اپنی بیٹیوں کو ہسپتال کی راہداری میں تماشا کھڑا کرنے سے روکا تھا، مگر وہ منظر کافی دھندلا تھا اور پھر وہ ایک کیفے میں تھے۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

ہسپتال کی ہی کینٹین جہاں سے سینڈوچ اور چائے لینے کے لیے ایمان قطار میں کھڑی تھی۔ پیسے دے کر جب وہ واپس اپنی ماں کے پاس جانے کے لیے مڑی تو بالائی لب بری طرح لرزا تھا۔ ایسے جیسے وہ رو دینے کے قریب ہو۔ مگر پھر تاثرات ہموار رکھتے وہ مرمریں، سفید، بے حد سفید فرش پہ متوازن قدم دھرتی گئی۔ ملائکہ کی چائے اسے پکڑا کر وہ منتہٰی کے پاس رک گئی۔

وہ تینوں باتیں کر رہی تھیں۔ منتہٰی کا دل بہلاتے ہوئے، ایسے جیسے وہ ایک ہفتے پہلے بالکونی کی سیڑھیوں سے پھسل کر نہیں گر گئی تھیں۔ جیسے ان کے گھٹنے فریکچر نہیں ہوئے تھے۔ جیسے وہ لمحہ آیا ہی نہیں تھا جب ملائکہ کی آنکھ میں ایک آنسو کی تاب تک نہ تھی اور ایمان کی چیخ و پکار کی کوئی حد نہیں۔

اس کی نگاہ یونہی پھسلی تھی لیکن ان کی جانب آتا شخص وہ نہیں تھا جس کی اسے امید تھی۔

مومن طٰہٰ ابرار۔

ان دونوں نے ملنا چھوڑ دیا تھا۔ نظریں ملانا تک ترک کر دیا تھا۔ یہ ایک وعدہ تھا۔ وہ اسے ایک ہفتے کے لیے بھی نہیں نبھا سکتا تھا کیا؟

”میں آپ لوگوں کو لینے آیا ہوں۔“ وہی مؤدب مسکراہٹ، جھانسے میں ڈالنے والی خوش اسلوبی، دل میں آگ جلا دینے والی خوبصورتی۔ سیاہ جیکٹ، سفید شرٹ، جینز اور اس کے سیاہ جاگرز۔ ناقابلِ برداشت انسان۔

”ہائے، مومن بھائی۔“ ملائکہ نے خوش دلی سے کہتے منتہیٰ کی وہیل چیئر اس کے آگے بڑھا دی۔ پھر اپنے فون پہ تیز تیز ٹک ٹک میں مصروف ہو گئی۔ وہ کہتی تھی کہ ہر آرٹسٹ کو ایک muse چاہیے ہوتا ہے اور اس کے نزدیک ایمان اور مومن بہترین میوز تھے۔ محبت کے بلبلے میں جیتے دو لوگوں کی طرح نہیں بلکہ اس کے کرائم تھرلرز میں قتل کر کے ایک ساتھ پولیس سے بھاگنے والے کپلز کی طرح۔ پارٹنرز اِن کرائم۔

لیکن وہ دونوں تو ایک دوسرے کی شکل تک دیکھنا گوارا نہیں کرتے تھے۔

ایمان نے بیزاریت سے اس لڑکے کے آگے ہوتے اپنی ماں کی وہیل چیئر خود پکڑی اور اسے دھکا دینے لگی۔ وہ کسی کی محتاج نہیں تھی۔ اس کی ماں بھی کسی کی محتاج نہیں تھی۔ اگر منتہیٰ کو ضرورت تھی تو اپنی بیٹیوں کی اور کوئی اور بیچ میں آکر اپنی ان چاہی مدد انہیں فراہم نہیں کرنے والا تھا۔۔۔

دروازہ بند ہونے کی ٹھک پر ایمان نے آنکھیں اٹھائیں اور جیسے ایک اور وقت سے اپنا آپ باہر نکالا۔

اس کی سوتیلی ماں۔ منتہیٰ رمضان۔ ملائکہ کی ان سے مشابہت متعجب کر دینے والی حد تک تھی۔ خیر، اب اپنی مری ہوئی ماں کو دیکھنے کے لیے اسے ابرار منزل کے چھپے کمروں میں نہیں ڈھونڈنا پڑے گا۔ سوئیاں ابھی تک چل رہی تھیں۔ انسانی دماغ میں ایک گھنٹے تک کی یاد بھی اگر ممکنہ طور پر محفوظ رہ سکے تو ذہن میں چند سیکنڈ میں ہی گزر جاتی ہے۔ خیالات روشنی کی رفتار سے بھی تیزی سے بیت جاتے ہیں۔ وہ ابھی بھی چوتھے ٹانکے پر تھی مگر دماغ کہیں پیچھے اٹکا ہوا تھا۔

ڈاکٹر معیز داخل ہوئے تھے۔ یہاں سب سے پہلا چہرہ جو اسے کھاریاں کے اس ہسپتال کی یاد دلا گیا، وہ انہی کا تھا۔ ڈاکٹر معیز کی جھریوں زدہ جلد، سفید کوٹ جوان کے فریم سے بڑا تھا اور موٹے چشمے انہیں کارٹون جیساد کھاتے تھے۔ مگر ایمان کو اتنا کمزور دیکھنے پر انہوں نے مومن کو جتنی صلواتیں سنائی تھیں، وہ بھی کمال تھیں۔

ابھی بھی وہ ایک فائل میں کاغذات الٹتے اپنے چشمے کے نیچے سے مومن کو گھورنا نہیں بھولے تھے۔

ہاں، وہ وہیں پہ تھا۔ ای آر میں آنا منع تھا یا نہیں مگر وہ ادھر ہی بیٹھا تھا۔ اس بار وہ کسی جیلس اور پوزیسو ایکس کی طرح نہیں بلکہ سکون سے اس پرانے والے جونیئر ڈاکٹر اور اب ڈاکٹر معیز کی ڈانٹ سن رہا تھا۔ ایسے جیسے ایمان کی حفاظت اس کی ذمہ داری تھی جس میں وہ ناکام ہونے پر حقیقتاً شرمندہ تھا۔ ہو نہ ہو، اس کا مطلب یہ نہیں تھا

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

کہ ایمان کی نظروں میں اس کی عزت بڑھ گئی تھی یا کچھ۔ڈاکٹر سے بحث نہ کرنا تو بنیادی etiquette ہوتا ہے۔

"اتنا خون بہہ گیا ہے۔ شکر کرو کہ میں یہاں تھا ورنہ تمہاری باری تک وقت پہ نہیں آنی تھی۔ یہ پاکستانی ہسپتال کا ای آر ہے۔امریکہ نہیں۔۔۔" ڈاکٹر معیز اس لڑکے کو سنا رہے تھے۔

بے نیاز چہرہ، اس کا فاختہ کے پروں کے رنگ کا سویٹر خون آلود تھا۔پیشانی سے آنکھوں پہ پھسلتے گیلے سیاہ بال اور ترش آنکھوں کے گرد پلکوں کا سایہ۔ وہ ایمان پہ جمی تھیں۔ جیسے ایمان کی اس پہ۔

اس کی توجہ ایمان کے ہاتھ پہ مرکوز ہو گئی۔ وہ خون۔ جیسے اس کی جلد میں سوئی گھستی اور نکلتی۔ جیسے ایمان لب سکیڑے اسے تجسس اور نفرت اور اکتاہٹ کی ملی جلی کیفیات کے بیچ دیکھ رہی تھی۔ کوئی چیخ تھی نہ کوئی کراہ۔ آنسو تو ایک نہ تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں، مس جاوید؟"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

ایمان نے سٹول کے نیچے پیر لمبے کر کے آگے کیے۔ دونوں ڈاکٹرز تھوڑے فاصلے پہ کھڑے ہوئے۔

"ہوں۔۔۔ابھی تک مری تو نہیں ہوں۔" ایک دھیمی بڑبڑاہٹ، مگر وہ مومن تک پہنچ گئی تھی۔

ان کی نگاہیں ملیں، جیسے انہیں مل جانے کی عادت تھی۔ سفاک سیاہ آنکھیں اور شدید سرمئی آنکھیں۔ وہ نظریں ہٹانے کی ہمت نہیں رکھتے تھے، ایسا کر ہی نہیں سکتے تھے۔ یہ ایک طلسم تھا اور وہ اس میں ڈوبے اور ضد سے نہ نکلتے دو انسان۔

یہ تب تھا جب ایمان نے فیصلہ لیا تھا۔ دنیا اسے بے عزت کر سکتی تھی، اسے ہارنے پہ مجبور کر سکتی تھی، اتنا زیادہ کہ اس کا خون تک بہہ نکلے۔ مگر جس کی نظروں کی گرفت میں ابھی وہ تھی، وہ اس کے ساتھ ویسا نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اسے توڑے گا نہ وہ اس کے آگے ٹوٹے گی۔ وہ اس کا رازدار تھا۔ ایک ان چاہا سہارا۔ ایک کمزوری۔ اس کا حمایت کار اور دشمن۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

مومن کی آنکھیں اسے بے عزتی سے بدتر چیزوں کی یاد دلاتی تھیں۔ایسے مناظر، گناہ اور بھید، جنہیں وہ چاہ کر بھی جاننے سے ہچکچاتی تھی۔لیکن اگر وہ کسی کو جاننے سے نہیں ڈرتی تھی تو وہ اسے بے عزت کرنے والے تھے۔انہیں وہ نہیں بھولنے والی تھی۔

***

اس کے سیاہ ڈیزائنر بوٹس سفید فرش پہ قدم رکھ رہے تھے۔چال میں ایک ٹھہراؤ تھا، کہنیاں اپنے آگے چوکور میں جوڑے۔وہ ساتھ گزرتی تیز تیز کام کرتی لڑکیوں کی ہر بات کا سکون سے جواب دیتے آگے بڑھ رہی تھی۔زرد روشنیوں کے درمیان سیاہ ہڈ اور کھلے ٹراؤزرز میں چلتا نسوانی چال والا وجود ان سلور اور قرمزی دیواروں کا ایک حصہ ہو کر بھی نہیں لگتا تھا۔

اس نے کمرے کا سفید دروازہ کھولا۔ ترتیب سے رکھی پہلے سے اونچی دوسری، اور اس سے اونچی تیسری میز پر اپنے گلے کا سکارف نکال کر سرکا دیا۔ کلائی میں بندھی سیاہ سٹریپ کی گھڑی پہ شام کے سات بج رہے تھے۔ بڑے سفید ڈیسک کے پیچھے سنہری پردوں کے درمیان کھڑکیوں سے رات کا گہرا سایہ پڑ رہا تھا۔ اس سب کو نظرانداز کرتے اس نے سب سے اہم شے کو سراہا۔ ایک بڑا mannequin۔ (پتلا)

اس پہ گہرے سبز رنگ کا آدھا تیار hem لگا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ سے کئی لیس، موتی، پتھر، یاقوت اور مرجان لگے ہوئے تھے۔ نیچے ڈبے پڑے تھے جن میں ایسی ہی کئی اشیاء تھیں۔ فرش پہ گرے سمندری سبز موتی۔ سیپیاں، ٹوٹے تارے، آدھے چاند، گرے ہیرے۔ قینچی، ناپ تول کے مختلف اوزار۔

اس نے میز پہ پڑی اپنی بڑی سکیچ بک پہ بنے خوبصورت ڈیزائن کو دیکھا۔ اس کا خواب، اس کا سب سے گہرا راز۔ دستک پہ سر اٹھایا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"میڈم سمبل آپ کو بلوا رہی ہیں۔" ریچا نے چیوئینگ گم چباتے اسے مطلع کیا۔

اس نے ناگواری سے اپنا ہڈ سرکا دیا۔ دیواروں سے زیادہ چمکتے، کھلے سرخ بال کندھوں پر پھسلے۔

"ان سے کہو کہ میں اپنے وقت پر ہی آؤں گی۔ ابھی نہیں۔" بھوری مغلئی آنکھوں میں اپنے کام کے لیے محبت سے جنگ کرتی اس میڈم کے لیے کوفت تھی۔

"انہوں نے کہا ہے کہ آج آپ نے جو کیا ہے، اسے وہ نظرانداز نہیں کر سکتیں۔ آپ کو ابھی آنا ہوگا۔" ریچا کے ناب پکڑے ناخن تک سفید پڑ رہے تھے۔ اس کی نظروں کا تعاقب کرتے سرخ بالوں والی لڑکی کی آنکھیں اپنے ہی ہاتھ کی پشت پہ آ کر رک گئیں۔

خون کے دھبے۔

"یہاں سے جاؤ۔ آرہی ہوں میں۔" کھردرے لہجے میں کہتے اس نے ریجا کو وہاں سے فوراً بھیجا۔ دروازہ آگے بڑھ کر مقفل کیا پھر اس کے ساتھ کمر لگا کر کھڑی ہو گئی۔ ہاتھ مٹھی میں بھینچ کر اپنے سینے سے لگایا۔

اس سے ایک لکیر بہہ رہی تھی۔ تھوڑی سیاہ، اتنا گہرا سرخ کہ سیاہ لگنے پہ مجبور ہو۔ اس کے چہرے پہ چمکتے freckles پہ بھی چھوٹے چھوٹے گلابی نشانات تھے۔ مٹائے جانے سے نہ مٹتے۔

"کسی اور نے بھی تو نہیں دیکھا؟" اس نے اپنی مٹھی کو گھورتے خود سے سوال کیا۔ خاموش کمرے کی دیواروں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ آخر کو دیواروں کے کان ہوتے ہیں۔ زبانیں نہیں۔

وہ بونداس کی سنہری کلائی سے بہتی گئی۔

سرخ۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

قرمزی۔

لال۔

دلچسپ۔

پراسرار۔

سب ایک ہی قطرے کو بیان کرتے تھے۔

خون۔

www.novelsclubb.com